فتنہ انکارِ حدیث

تعارف وتعاقب
مزموم مقاصد وارادت
اوراعتراضات کے مکمل جوابات

تصنیف:
حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی

پیش لفظ:
مولانا عبد القیوم حقانی

جامعہ ابو ھریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

نام کتاب : فتنۂ انکارِ حدیث

مصنف : حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی

بہ اہتمام ونگرانی : مولانا عبدالقیوم حقانی صدر القاسم اکیڈمی

کمپوزنگ : جان محمد جانؔ رُکن القاسم اکیڈمی

ضخامت : 68 صفحات

تاریخِ طباعت : صفر المظفر ۱۴۲۷ھ / مارچ 2006ء

ناشر : القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی

☆ مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

☆ کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی

☆ مکتبہ سید احمد شہید ' ۱۰ الکریم مارکیٹ ' اردو بازار ' لاہور

☆ زم زم پبلشرز ' نزد مقدس مسجد ' اردو بازار ' کراچی

☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی صاحب، جامعہ ابو ہریرہ، چنوں موم ضلع سیالکوٹ

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

فہرستِ مضامین

ارشادِ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب مرحوم

شائع شدہ الصدیق ملتان بابت ۱۹۶۴ء

اس مضمون میں محترم مولوی محمد زمان صاحب نے منکرینِ حدیث کے شبہات کا مسکت جواب تحریر فرمایا ہے۔ اس وقت اس نوزائیدہ ملک میں یہ فتنہ بڑے زور وشور سے اُٹھ رہا ہے۔ علماء اور مفکرینِ ملت کو اس طرف پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عظمتِ حدیث

حدیث کیا ہے کہ بعد از کلام ربِّ جلیل — برائے شرعِ مبیں ہے یہ گفتگوئے مزید

حدیثِ سرورِ عالمؐ کا جو کرے انکار — کرے نہ اس سے کوئی امّتی بھی گفت وشنید

اگرچہ کوئی تمنا ہو یا کوئی پرویز — جو پیراوانِ کلیسا کی کر گئے تقلید

جو اِنکا پیرو ہے وہ بھی حدیث کا منکر — جو اُن کا پیرو ہے وہ بھی ہے مثلِ مارِ یزید

حبیبؔ سرورِ عالمؐ کا متبع بن جا
مکینِ خلد بنے گا حدیث کی ہے نوید

حافظ حبیبؔ الرحمٰن نقشبندی

06/ مارچ 2006ء

پیش لفظ

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلواۃ والسلام علیٰ خاتم الرسالۃ۔

اسلام ایک مکمل دین ہے اور یہ تین بنیادی ایمانیات سے عبارت ہے۔ ایمان باللہ، ایمان بالرسالت، ایمان بالآخرۃ۔ اس کے ثبوت کے لئے چار قسم کے دلائل درکار ہوتے ہیں۔ اوّل قرآن جس میں کوئی ردوبدل وتحریف ممکن نہیں۔ دوئم حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سوئم اجماع، چہارم قیاسِ مجتہد۔ ان کو ادلّہ اربعہ کہا جاتا ہے۔ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ قرآن شیاطین کی دست برد سے محفوظ ہو کر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ کے سینہ اطہر میں محفوظ کر دیا گیا۔ حدیث نہ صرف قرآن کی وہ تشریح ہے جو قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر القا کی گئی بلکہ قرآن کے ''اجمال'' کی تفصیل بھی القاء ہوئی ہے۔ یہ دونوں کلام سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کرامؓ کو علیحدہ علیحدہ کر کے مختلف چیزوں پر لکھوائے ہیں۔ قرآن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت کے شروع میں ہی جمع کر دیا گیا تھا۔ احادیث مختلف سامعین صحابہؓ کے پاس نسخوں کی صورت میں موجود تھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے رجال کار پیدا کر کے اپنے وقت میں جمع فرمایا اور اس طرح صحاحِ ستہ کی صورت میں اور دیگر مستند ذخیروں میں احادیث کو بھی محفوظ کر دیا گیا اور تب سے محفوظ چلے آتے ہیں۔ متناً بھی اور سنداً بھی۔ راویوں کے مکمل حالات بھی قلم بند کئے گئے۔

ضالّین ومغضوبین کی طرف سے ہر دور میں اسلام کے اس دوسرے مأخذ حدیث میں شک وتشکیک کے تیر چلائے گئے۔ غرض صرف یہ تھی کہ اسلام کی عمارت مخدوش ہو جائے، تا کہ اس کا منہدم کرنا آسان ہو جائے، مگر ہر دور میں رجالِ کار کے ذریعے سے اللہ جل جلالہٗ نے اسلام کی عمارت کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اور حسین ومضبوط بنا دیا۔

دورِ حاضر کے ضالّین اور منکرینِ حدیث کا جوابِ لاجواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن رجالِ کار کا انتخاب فرمایا ہے، اُستاذی واستاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب مدرسِ اعلیٰ نجم المدارس کلاچی ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ''استاذ'' کا لفظِ جمیل جن کے نام کا مستقل حصہ بن گیا۔

حضرت الاستاذ موصوف نے ۱۹۶۳ء میں جامعہ دار العلوم حقانیہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے کسبِ فیض کیا۔ ۶۴-۶۵ء میں محدث العصر حضرت بنوریؒ کے ہاں درجۂ تخصص فی الحدیث میں داخل ہوئے اور الحمد للہ کہ ''المصنّفات فی الحدیث'' کے موضوع پر ایک عظیم علمی اور تاریخی مقالہ تحریر فرمایا جس کے بارے میں حضرت بنوریؒ فرمایا کرتے کہ حدیث کی کتابوں کا تفصیلی تعارف تو اپنی جگہ، شائقین اتنی ڈھیر ساری حدیث کی کتابوں کے نام پڑھ لیں بھی تو یہ بھی ایک سعادت ہے۔ تخصص سے فارغ ہوئے تو اپنی مادرِ علمی نجم المدارس میں اپنے شفیق اساتذہ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہٗ اور حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہٗ کی سرپرستی میں تدریسِ علم کا آغاز کر دیا۔ تب سے اب تک نجم المدارس سے وابستہ ہیں نہ آشیان بدلا اور نہ شاخِ گل چھوڑی ....

شناورانِ محبت تو سینکڑوں ہیں مگر
جو ڈوب جائے وہ پکا ہے آشنائی کا

موصوف بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر کی عملی تصویر ہیں۔ القاسم اکیڈمی قائم ہوئی یا

اس سے قبل جامعہ دار العلوم حقانیہ کے شعبۂ مؤتمر المصنفین یا ادارۃ العلم والتحقیق میں احقر کا جتنا کام ہوا موصوف نے میری تمام تحریری کاوشوں کا بالاستیعاب تنقیدی مطالعہ فرمایا، اصلاح فرمائی مفید مشورے دیے بلکہ پروف ریڈنگ کے صعب ترین مراحل سے بھی گذرتے رہے۔

موصوف نہ صرف میرے اُستاد ہیں بلکہ ملک بھر میں دینی مدارس میں آپ کے شاگردوں کا ایک سلسلہ ہے جو خدمتِ درس و تدریس اور خدمتِ علم میں مصروف ہے۔ موصوف اُستاذِ مکرم حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہٗ اور محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے تلمیذِ خاص اور یوں اسی واسطے سے شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جبکہ ایک دوسرے واسطے سے محققِ دوران، محدثِ کبیر، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے شاگرد ہیں۔ وہ واسطۂ جمیلہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا ہے، جو خود محدث کبیر تھے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ۱۹۶۴ء میں جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حدیث پر تخصص کی کلاس کا افتتاح ہوا تو پورے پاکستان کے مشرقی و مغربی حصوں سے چھ افراد کا انتخاب حضرت بنوریؒ نے فرمایا۔ مغربی پاکستان کے تین خوش نصیب افراد میں ایک ڈیرہ صوبہ سرحد کے تھے، ایک ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور ایک ہمارے ممدوح استادِ مکرم حضرت مولانا محمد زمان صاحب مصنف کتاب ہٰذا بھی شامل تھے۔ حضرت بنوریؒ نے آپ کے لئے ہم سب کے استاذ شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں باضابطہ درخواست دی جبکہ ہمارے ممدوح وہاں بم المدارس میں [illegible] قرر ہو [illegible] لے تھے۔

تخصص کا دورانیہ دو سال پر محیط تھا۔ اس دوران جو کچھ قلم گوہر بار [illegible] مقامِ حدیث کے مقام اور حدیثِ رسول ﷺ کے تحفظ اور منکرینِ حدیث کے جواب میں افشاں ہوا، وہ ماہنامہ الحق میں بھی چھپا اور ماہنامہ الصدیق ملتان میں بھی۔ یہ جواب ایک

ایسالا جواب ثابت ہوا جس کا جواب تا حال ندارد۔

آج کل کے معروضی حالات کے پیش نظر جبکہ مسلمانانِ عالَم توہینِ رسالت ﷺ پر مبنی خاکوں کی وجہ سے خاک وخون کے دریا عبور کر رہے ہیں، مصنف کی اس کتاب کا جدید تقاضوں کے مطابق منظر عام پر آنا ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں کیونکہ بہت سے ایسے مسلمان بھی ہیں جو انکارِ حدیث کے فتنے کے عام ہو جانے کے سبب بے حس ہو کر تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حدیث کے متعلق ذہنوں کی پراگندگی صاف کر کے قلوب کو ایمان کی روشنی سے منور کیا جائے۔ حضرت الاستاد سادگی میں پرانے وقتوں کے محدث معلوم ہوتے ہیں۔ تقویٰ، فقر و توکل، للّٰہیت، بے نفسی اور فنائیت اس پر مستزاد ہے۔ اُمید ہے اس کتاب کو نہ صرف پڑھا جائیگا بلکہ پڑھوایا جائے تو صدقہ جاریہ ہوگا۔ اس میں تمنا عمادی کی تمنائے باطل کو مسمار کر کے رکھ دیا گیا ہے۔

کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بسم اللہ کیجئے کیونکہ اصل مقالہ عشقِ رسول ﷺ کے جذبات اور کیفیات میں ڈوب کر شبانہ روز کاوشوں کے نتیجے میں مرتب ہوا۔ اسی طرح استاذِ مکرم کی وہ معرکۃ الآراء کتاب بھی جلد منظر عام پر لانے کی کوشش کی جارہی ہے جو ''المصنّفات فی الحدیث'' کے نام سے آپ کے تخصص کے سالِ آخر کا ''عظیم علمی و تحقیقی اور تاریخی شہکار مقالہ'' ہے، جس کا اردو ترجمہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ کمپوزنگ بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ القاسم اکیڈمی کو حضرت الاستاذ کے افادات کی طباعت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ کریم اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ (آمین)

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

۸ رصفر المظفر ۱۴۲۷ھ/ ۶ رمارچ ۲۰۰۶ء

قدماء محدثین پر وضع حدیث کا غلط الزام

دور حاضر کے ایک روشن خیال محقق نے اپنے مقالہ ''تحریکِ حدیث'' کے ذیل میں نہایت بیباکانہ انداز میں بیشتر ذخیرۂ احادیثِ رسول اللہ ﷺ کا ذیل کے الفاظ میں انکار فرماتے ہیں:

''درحقیقت بیشتر احادیث مجموعہ ہیں ان کہاوتوں جیسے مقولوں کا جن کی تراش و خراش خود قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ہاتھ انجام پائی مگر انہیں رسالت مآب ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا''۔ (ماہنامہ فکر و نظر ق ۱۵ ص ۱۷)

اور اس وضع حدیث کا دروازہ کھولنے کا الزام وہ ذیل کے الفاظ میں قدماء محدثین کے ذمہ لگاتے ہیں۔

''یہ ایک معلوم حقیقت ہے اور قدماء محدثین خود اُسے تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاقی امثال پند و نصائح اور جوامع الکلم کو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خواہ اس نوع کا انتساب تاریخی حیثیت سے درست ہو یا نادرست، صرف فقہی احادیث یا ایسی احادیث کے بارے میں جو عقائد سے متعلق ہوں یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ ان کا سلسلۂ روایت واقعۃً پوری صحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچانا چاہیے''۔ (ماہنامہ فکر و نظر ص ۱۳)

اور اکثر و بیشتر احادیثِ صحیحہ کو زمانہ مابعد کی پیداوار (یعنی موضوع) کہنے کی راہ ہموار کرنے کیلئے تجاہل عارفانہ کے طور پر فرماتے ہیں :

''اس سلسلہ میں قابلِ غور امر یہ ہے کہ ایک بار تاریخی صحت و استناد کے اُصول کو کسی سطح پر بھی ترک کر کے اگر عدم تاریخیت کے اصول کو مان لیا جاوے تو آخر الذکر اُصول کو کسی خاص دائرہ تک محدود رکھنا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے''۔

اس کے بعد وہ ص ۱۳ قسط پنجم پر گوہر افشانی فرماتے ہیں :

چنانچہ ہمارے قیاس کی تائید امام نووی شارح مسلم متوفی ۶۷۶ھ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ اسی روایت (وہ روایت (من کذب علی متعمداً فلیتبوٴا مقعدہ من النار) ہے اس زیادتی کی حقیقت ہم آخر میں عرض کریں گے) کی بنیاد پر یہ عام اصول بنایا گیا کہ انہ یجوز وضع الحدیث فی الترغیب والترھیب یعنی ترغیب و ترہیب کے مضامین کی (پرہیز گاری کے جذبات پیدا کرنے والی حدیثیں) حدیثیں وضع کرنا جائز ہے۔

نوٹ :- ترغیب و ترہیب کا یہ مفہوم بیان کرنا کوتاہ فہمی کی دلیل ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ ترغیب کے معنی ہیں کسی اچھے عمل کا ثواب بیان کر کے اس کی رغبت دلانا اور ترہیب کے معنی بدکاریوں پر عذاب بیان کر کے ان سے ڈرانا۔

امام نوویؒ نے یہ اُصول کرامیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کا یہ کہنا کہ بہت سے جاہلوں اور واعظوں نے اس اُصول کی پیروی کی ہے، اگر امام غزالیؒ کی احیاء علوم الدین جیسی کتابیں پیش نظر ہوں تو اس اُصول کے اتباع کو جاہلوں اور واعظوں تک منحصر کرنا دشوار ہوگا۔ یہی امام نوویؒ راوی ہیں کہ بعض حضرات نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ مندرجہ بالا مشہور و متواتر حدیث میں الفاظ کذب علی ہیں، حرفِ جار علیٰ کے صلہ سے مفہوم مخالف

نقصان وغیرہ نکلتا ہے اور پرہیزگاری و دینداری کے لئے حدیثیں بنانے میں موافقت اور نفع کا پہلو ہے۔ اس لئے ایسی حدیثیں وضع کرنے پر حدیث مذکورہ بالا کی جہنم میں ٹھکانا بنانے کی وعید کا اطلاق نہیں ہوگا۔ امام نوویؒ کے اپنے بلیغ الفاظ یہ ہیں۔ ''انّ ھذا کذب لہٗ صلی اللہ علیہ وسلم لاعلیہ''۔

اس کے بعد بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ ''عام اُمت کے نزدیک جو امر مستحسن ہو اس کا رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا صرف کرامیہ کا مسلک نہیں تھا۔

(صفحہ ۱۴ قسط پنجم ماہنامہ فکرونظر کراچی)

فاضل مقالہ نگار قسط پنجم کے صفحہ ۱۵ پر چند احادیث جو کرامیہ نے جواز وضع حدیث کے بارے میں پیش کی ہیں، اپنے مفید مطلب پاکر نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

مندرجہ بالا تمام احادیث اس بات کی گواہ ہیں کہ خود محدثین کے نزدیک اہم بات احادیث کا بعین قول یا فعل رسول اللہ ﷺ ہونا نہ تھا بلکہ یہ امر تھا کہ آیا وہ قرآن اور رسول ﷺ کی عام تعلیمات کی روح کی حامل یعنی سنت جاریہ کی مظہر ہیں یا نہیں''۔ یہی وجہ ہے کہ محقق موصوف نے انتہائی بیباکی کے ساتھ اسی مضمون کی قسط دوم وسوم میں صحیحین کی متفق علیہ روایتوں کو محض مفروضہ تاریخی حقائق و مزعومہ عقلی اعتراضات کی بنا پر رد کردیا ہے اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ''ان احادیث کو رسول اللہ ﷺ کے واقعی ارشادات کی حیثیت سے قبول کرنا ممکن نہیں''۔ (سبحانک ھذا بھتان عظیم)

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم محقق موصوف کی اس کم بینی و کج بینی کی حقیقت بے نقاب کرنے کیلئے قدماء محدثین بلکہ متقدمین و متأخرین علماءِ حدیث کا مسلک وضع حدیث اور روایات حدیث موضوع کے متعلق مستند کتابوں سے نقل کرکے محقق کی تحقیق (ریسرچ) کی حقیقت بے نقاب کریں۔ (و باللہ التوفیق)

ہم اوّل حدیث موضوع کی تعریف بیان کریں گے، اس کے بعد وضع حدیث اور روایت حدیث موضوع کا حکم بعدازاں واضعین حدیث کے دلائل اور ان کے جوابات پیش کریں گے۔

حدیث موضوع کی تعریف :

هو المختلق المصنوع کما ذکرہٗ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ فی مقدمتہٖ ص ۳۷ والحافظ عماد الدین المشهور بابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ فی علوم الحدیث ص ۷۸۔

ہر گھڑی ہوئی اور جعلی روایت حدیث موضوع ہے، جیسے کہ ابن صلاحؒ متوفی ۶۴۳ھ نے مقدمہ ابن صلاح کے ص ۳۷ پر اور حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ متوفی ۷۷۴ھ نے علوم الحدیث کے ص ۷۸ پر بیان کیا ہے :

وقال الشیخ محمد بن اسمٰعیل المتوفی ۱۱۸۲ھ فی توضیح الافکار ص ۶۸ الموضوع هو المکذوب و یقال لہٗ المختلق والمصنوع ای واضعه اختلقه ووضعه ۔

محمد بن اسمٰعیل متوفی ۱۱۸۲ھ نے توضیح الافکار کے ص ۶۸ پر موضوع حدیث کی تعریف یہ کی ہے کہ موضوع ہر وہ حدیث ہے جس کی رسول اللہ ﷺ کی جانب جھوٹی نسبت کر دی گئی ہو اس کو گھڑی ہوئی اور خودساختہ حدیث بھی کہتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو واضع حدیث نے خود گھڑا اور حدیث رسول بنایا ہو۔

و قال السید قاسم الاندجانی المتوفی ۱۳۷۹ھ فی المصباح ص ۹۶ الموضوع عبارۃ عن الحدیث الذی اخترعه راویه واختلقه وافتراہ علی رسول اللہ ﷺ

سید قاسم اندجانی متوفی ۱۳۷۹ھ نے مصباح میں ص ۹۶ پر موضوع کی تعریف یہ کی ہے کہ حدیث موضوع وہ حدیث ہے جس کو راوی نے خود اختراع کیا ہو اور رسول اللہ ﷺ پر اس کا بہتان لگایا ہو۔

وفی الباعث الحثیث ص ۸۰ لاحمد محمد شاکر الموضوع هو الذی نسبه الکذابون المفترون الی رسول الله ﷺ۔

باعث الحثیث میں ص ۸۰ پر عہدِ حاضر کے ایک محقق مصری عالم محمد احمد شاکر نے موضوع کی تعریف' ان الفاظ میں کی ہے۔ حدیث موضوع وہ حدیث ہے جس کی نسبت افتراء کرنے والے کذابین نے رسول اللہ ﷺ کی طرف کردی ہو۔

ان تمام علماء اور محدثینِ کرامؒ کے بیان سے واضح ہوگیا کہ ہر وہ فعل یا قول جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کہا ہو' اور نہ کیا ہو' اور آپؐ کی طرف منسوب کردیا جائے وہ حدیث موضوع ہے خواہ نیک نیتی سے ایسا کیا ہو خواہ بدنیتی سے کسی اچھے مقصد کیلئے ایسا کیا ہو ایا بُرے مقصد کیلئے دین کو نفع پہنچانے کے لئے کیا ہو یا نقصان پہنچانے کے لئے' بہرصورت وہ حدیث موضوع یعنی جعلی اور بناوٹی ہے۔

لہٰذا محقق موصوف کا احادیث کو جعلی کہنے سے بچنے کی مذکورہ ذیل کوشش مردود و بے سود ہے۔ اگرچہ ہم مجموعی طور پر احادیث کی تاریخی صحت مشکوک جانتے ہیں لیکن ہم نے کہیں یہ نہیں کہا کہ یہ جھوٹی یا جعلی ہیں۔ (ماہنامہ فکرونظر بابت جنوری ۱۹۶۴ء ص:۲۰)

وضع حدیث اور روایت حدیث موضوع کا حکم :

اعلم ان الحدیث الموضوع شر الاحادیث الضعیفة ولاتحل روایته لاحد علم حاله فی ایّ معنی کان الامقر و نا ببیان وضعه۔ (مقدمہ ابن صلاح ص ۳۸)

معلوم ہونا چاہئے کہ حدیث موضوع احادیث ضعیفہ میں بدترین قسم ہے اور کسی شخص کے لئے جو اس کے موضوع ہونے کو جانتا ہو اس کی روایت جائز نہیں ہے، خواہ کسی بھی مضمون کی حدیث ہو، یعنی ترغیب وترہیب کی ہو یا احکام کی بجز اس صورت کے کہ اس کے موضوع ہونے کو واضح طور پر بیان کردے۔

و فی شرح النخبة ص ۵۸ لحافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ والحامل للوضع اما عدم الدین کالزنادقة الی قوله و کل ذلک حرام باجماع من یعتد به الا ان بعض الکرامیة و بعض المتصوفة نقل عنهم اباحة الوضع فی الترغیب والترهیب من جملة الاحکام الشرعیة (و اذا لم یجز الوضع لسائر الاحکام لم یجز للترغیب و الترهیب لتساویهما لسائر الاحکام)

واتفقوا علی تحریم روایة الموضوع الامقرونا ببیانه لقوله علیه السلام من حدث عنی بحدیث یریٰ انه کذب فهو احد الکذابین۔

وضع حدیث کا سبب یا بے دینی ہوگی جیسے زنادقہ یا انتہائی جہالت جیسے کہ بعض نام نہاد صوفیاء وغیرہ (بہرحال) یہ وضع حدیث کسی بھی سبب سے ہو معتمد علیہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ قطعاً حرام ہے، بجز بعض مبتدعین جیسے بعض کرامیۃ اور خود ساختہ صوفیہ کہ ان کے نزدیک ترغیب وترہیب کے لئے وضع احادیث جائز ہے (معاذ اللہ) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھلی ہوئی غلطی ہے جو بھی اس کا مرتکب ہو اس کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ مضامین ترغیب وترہیب بھی تو از قبیل احکامات ہیں اور جب احکامات میں وضع حدیث کو وہ بھی جائز نہیں کہتے تو ترغیب وترہیب میں بھی جائز نہیں کہنا چاہئے کیونکہ ترغیب وترہیب کے مضامین احکام پر مشتمل ہونے میں برابر ہیں اور جمہور علماء کا اس پر ہی اتفاق ہے کہ موضوع حدیث کو بغیر بیان وضع کے روایت کرنا بھی حرام ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ سے کسی ایسی حدیث کو روایت کیا جس کو وہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ بھی کذابین کا ایک فرد ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۸، لحافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ)

حافظ ابن حجرؒ اور ابن صلاحؒ کی عبارات سے یہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ جمہور علماء میں کوئی بھی وضع حدیث کے قائل نہیں۔ ہاں بعض متصوفہ و زنادقہ اپنے مفاد کیلئے وضع

حدیث کو جائز سمجھتے ہیں لیکن ان کے اس طریق کار کو صریح جہالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ شیخ محمد بن اسماعیل الصنعانی المتوفی ۱۱۸۲ھ توضیح الافکار جلد ثانی ص ۷۰ پر فرماتے ہیں کہ :

وحکم الموضوع انه لایجوز لمن عرفه ان یرویه من غیر بیان لوضعه سوا کان فی الحلال والحرام والترغیب والترهیب وغیر ذلک یدل لذلک ما اخرجه مسلم فی صحیحه من حدیث سمرة بن جندبؓ انه قال قال رسول الله ﷺ من حدث عنی بحدیث یریٰ انه کذبٌ فهو احد الکذابین۔ (توضیح الافکار ص ۷۰)

موضوع حدیث کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس کے موضوع ہونے کو جانتا ہے اس کو اس حدیث موضوع کی روایت بغیر بیان وضع کے ہرگز جائز نہیں چاہے وہ حلال وحرام سے متعلق ہو یا ترغیب وترہیب سے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔ سمرۃ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص مجھ سے کوئی ایسی حدیث روایت کرے جس کو سمجھتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

اس کے علاوہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم ص ۱۲۳ جلد اوّل میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نقل کرتے ہیں کہ :

ولا شک ان الکذب عمدًا کله حرام الا ما استثنیٰ و یتاکد تحریمه فی الخبر علی النبی ﷺ لانه فی الحقیقة کذبٌ علی الله عزو جلّ لان النبی ﷺ ماینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحٰی فکان من قال کذبًا ان رسول الله ﷺ قال کذا ادعٰی ان الله تعالیٰ اوحٰی الیه بکذا ۔

فمن اظلم ممن افتری علی الله کذباً لیضل الناس بغیر علم الأیة والجمهور علی ان الکذب علیه السلام من اعظم الکبائر بل بالغ الشیخ ابو محمد الجوینی فجزم

بتکفیر واضع الحدیث۔ (فتح الملہم ج۱، ص۱۳۴)

اس میں شک نہیں کہ عمداً جھوٹ بولنا کل کا کل حرام ہے بجز اس کے جس کی استثناء کی گئی ہے (یہ تو ہر شخص کے حق میں ہے) اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تو کذب کا حرام ہونا اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ پر جھوٹ بولنا یہ حقیقت میں اللہ عزّ وجل پر جھوٹ بولنے کے مرادف ہے۔ اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے پس جو شخص جھوٹ بولتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہا ہے تو گویا اس نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی وحی فرمائی ہے (حالانکہ وہ بات خود اس کی کہی ہوئی ہے نہ رسول کی ہے، نہ اللہ کی) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے تاکہ لوگ ناسمجھی کی وجہ سے گمراہ ہو جاویں، اس طرح جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ نبی پر جھوٹ باندھنا کبائر میں سب سے بڑا گناہ ہے بلکہ شیخ ابو محمد الجوینی نے تو واضع حدیث کو کافر کہہ دیا ہے۔

اسی وضع حدیث کی حرمت کے بارے میں علامہ جلال الدین السیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ تدریب الراوی ص ۱۸۵ پر نقل کرتے ہیں کہ:

وجوزت الکرامیۃ الوضع فی الترغیب والترھیب وھو خلاف اجماع المسلمین الذین یعتد بھم بل بالغ الشیخ ابومحمد الجوینی فجزم بتکفیر واضع الحدیث۔ (تدریب الراوی ص ۱۸۵)

کرامیہ نے ترغیب وترہیب کے مضامین میں وضع حدیث کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ یہ معتمد علیہ مسلمان علماء کے اجماع کے قطعاً خلاف ہے بلکہ شیخ ابو محمد الجوینی نے تو واضع حدیث کے متعلق قطعی طور پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

نیز سید قاسم اندجانی المتوفی ۱۳۷۹ھ مصباح ص ۹۶ پر فرماتے ہیں کہ :

واما حکم روایة نقله اعلم ان من روىٰ حدیثا اما ان یجهل انه موضوع و اما ان یعلم ذلک بطرق من طرق العلم فان کان یعلم انه موضوع فاما ان یرویه لیبین حاله و اما ان یرویه من غیر ان یبین حالهٗ فاما الذی یجهل انه موضوع فلا اثم علیه و ان کنا نعتقد انه مقصر فی البحث و اما الذی یعلم فان کان یذکره لیبین انه مختلق موضوع فلا شئی علیه بل هو مثاب علی هذا الصنع و ذلک لما بین حاله فقد امن الذی کان یخشٰی منه من علوقه فی الاذهان منسوبًا الی رسول اللّٰه ﷺ ولانه دفع بهذ البیان عن المسلمین ضرراً عظیما . و اما من علم حاله و رواه من غیر بیان فهو آثم اشد الاثم وهو خصیم اللّٰه و رسوله نعوذ باللّٰه السمیع العلیم من ذلک ۔ (مصباح ص ۹۶)

موضوع حدیث کو روایت کرنے کا حکم سید قاسم اندجانی مصباح ص ۹۶ پر فرماتے ہیں کہ یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو موضوع حدیث کا راوی ناواقفیت کی بنا پر حدیث موضوع کو روایت کرتا ہے اور یا اس کو کسی بھی طریق پر اس کے موضوع ہونے کا علم ہے ۔ شق ثانی میں اس کی غرض یا تو اس کے موضوع ہونے کو ظاہر کرنا ہے اور یا بغیر بیان وضع اس کو روایت کرتا ہے ، پس وہ شخص جو اس کی وضع سے ناواقف ہے اس پر تو کوئی گناہ نہیں ، اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اس کے بیان کرنے میں بڑا کوتاہ کار ہے اور جس شخص کو اس کے موضوع ہونے کا علم تو ہے ، مگر اس کی روایت اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کے موضوع ہونے سے (دوسروں کو) آگاہ کردے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بلکہ اس کو ثواب ملے گا کیونکہ جب اس نے اس کا حال بیان کردیا تو یہ خطرہ دور ہوگیا کہ لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سمجھیں گے اور اگر اس کو موضوع ہونا تو معلوم ہے لیکن وہ بغیر بیان وضع کے اس کو روایت کرتا ہے تو بہت سخت گناہ گار ہے اور اللہ تعالیٰ و رسول کا معاند اور دشمن ہے ، ہم اللہ تعالیٰ

سے پناہ مانگتے ہیں جو خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

اس کے علاوہ ایک محقق مصری عالم احمد محمد شاکر باعث الحثیث ص ۷۹ پر رقمطراز ہیں :

و قول الكرامية انه يجوز وضع الحديث للترغيب والترهيب مخالف لاجماع المسلمين و عصيان صريح للحديث المتواتر عنه ﷺ من كذب على متعمدًا فليتبوا مقعده من النار۔

باعث الحثیث کے ص ۷۹ پر مولانا احمد محمد شاکر فرماتے ہیں کہ کرامیۃ کا یہ کہنا کہ وضع حدیث ترغیب وترہیب کیلئے جائز ہے یہ قول اجماع امت کے قطعاً خلاف ہے اور حدیث متواتر (کہ جس نے میرے اوپر قصداً جھوٹ کہا وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے) کی کھلی ہوئی نافرمانی ہے۔

شرح مسلم ص ۸ پر امام نوویؒ تصریح فرماتے ہیں کہ :

ولا فرق فی تحريم الكذب عليه السلام بين ما كان فی الاحكام ومالاحكم فيه كالترغيب والترهيب والمواعظ وغير ذلك فكله حرام من اكبر الكبائر و اقبح القبائح باجماع المسلمين۔

امام نوویؒ شرح مسلم ص ۸ پر فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جھوٹ باندھنا چاہے احکامات کے ذیل میں ہو چاہے ترغیب وترہیب کے ضمن میں اس کے حرام ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے بہرصورت حرام ہے اور کبیرہ گناہ وبدترین ذلیل حرکت ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

وتحرم روايته مع العلم فی ایّ معنی كان سواء فی الاحكام والقصص والترغيب الا مقرونا ببيان وضعه۔ (تدریب الراوی ص ۱۷۸)

امام جلال الدین سیوطیؒ تدریب الراوی میں ص ۱۷۸ پر فرماتے ہیں، موضوع حدیث کا علم ہونے کے باوجود نقل کرنا حرام ہے چاہے، وہ احکامات سے متعلق ہو یا ترغیب وترہیب سے بجز اس صورت کہ اس کے موضوع ہونے کو صاف طور پر واضح کر دیا جاوے۔

نیز مولانا احمد محمد شاکر الباعث الحثیث ص ۸۱ میں اپنے بلیغ الفاظ میں یہ تصریح فرماتے ہیں کہ:

ومن علم ان حدیثا من الاحادیث موضوع فلایحل لهٗ ان یرویه منسوبا الی رسول اللّٰه ﷺ الا مقرونا ببیان وضعهٖ سواء کان فی الاحکام والقصص والترغیب والترهیب وغیرها لحدیث سمرة بن جندبؓ والمغیرة بن شعبة قالا قال رسول اللّٰه ﷺ من حدث عنی بحدیث یریٰ انه کذب فهو احد الکذابین۔

کسی حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہونے کے باوجود اس کو بغیر بیان وضع روایت کرنا قطعاً جائز نہیں چاہے وہ احکام کی قبیل سے ہو چاہے ترغیب وترہیب سے متعلق ہو کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے میری طرف منسوب کر کے کوئی ایسی حدیث روایت کی جو وہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے ایسا شخص بھی جھوٹوں میں ایک جھوٹا ہے اس حدیث کو سمرۃ بن جندبؓ اور مغیرۃ بن شعبہ نے روایت کیا ہے۔

قدیم وجدید محدثینؒ کے نزدیک موضوع حدیث کا حکم مذکورہ بالا تفصیل سے اُمید ہے کہ واضح ہو گیا ہوگا، مزید براں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وضّاع حدیث کی کوئی روایت بھی مقبول نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وہ دوسری روایتیں اگرچہ سچی بھی ہوں۔

چنانچہ حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت المعروف بالخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ کتاب الکفایہ ص ۱۱۷ پر فرماتے ہیں:

عن عبد العزیز بن جعفر الحنبلی قال ثنا احمد بن هارون الخلال قال اخبرنی

موسی بن محمد الوراق قال حدثنا ابو عبد الرحمن عبید اللّٰہ بن احمد الحلبی قال سألت احمد بن حنبل عن محدث کذب فی حدیث واحد ثم تاب و رجع قال توبته فیما بینه و بین اللّٰہ ولا یکتب حدیثه ابدًا ۔

عبدالعزیز بن جعفر الحنبلی بسند متصل بیان کرتے ہیں کہ ابن حلبی نے امام احمد بن حنبلؒ سے ایسے محدث کے متعلق جس نے کسی ایک حدیث میں جھوٹ بول دیا ہو اور پھر توبہ کر لی ہو دریافت کیا امام احمدؒ نے فرمایا اس کی توبہ تو اس کا اور خدا تعالیٰ کا معاملہ ہے، قبول کرے یا نہ کرے باقی اس کی حدیث اب کبھی نہیں لکھی جاویگی (یعنی اس راوی نے اپنا اعتماد کھو دیا اس لئے کبھی اس کی روایت مقبول نہیں ہو سکتی)

اسی کتاب الکفایہ ص ۱۱۷ میں یہ بھی منقول ہے :

اخبرنا ابو الحسین علی بن محمد بن عبد اللّٰہ المعدل قال اخبرنا احمد بن محمد بن جعفر الجوزی قال ثنا ابوبکر عبد اللّٰہ بن محمد بن ابی الدنیا و قال حدثنا ابو صالح المروزی قال رافع ابن اشرس قال کان یقال ان من عقوبة الکذاب ان لایقبل صدقه ...... الخ ۔

خطیب بغدادی بسند متصل رافع ابن اشرس سے روایت کرتے ہیں کہ محدثین کے حلقہ میں یہ کہا جاتا تھا (یعنی مشہور تھا) کہ جھوٹ کی سزا یہ ہے کہ اس شخص کے سچ کو کبھی قبول نہ کیا جاوے۔

اسی طرح ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن المشہور بابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ اپنے مقدمہ ص ۴۴ پر یہ فرماتے ہیں :

التائب من الکذب فی حدیث الناس و غیره من اسباب الفسق تقبل روایته الا التائب من الکذب متعمدًا فی حدیث رسول اللّٰہ ﷺ فانها لاتقبل روایته ابدًا و ان

حسنت توبته علی ماذکر غیر واحد من اهل العلم منهم احمد بن حنبل و ابوبکر الحمیدی شیخ البخاری ...... الخ ۔ (مقدمہ ابن صلاح ص ۴۴)

ابن صلاح اپنے مقدمہ ص ۴۴ پر یہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور لوگوں پر جھوٹ بولنے والا فاسق اگر توبہ کرلے تو اس کی روایت مقبول ہوگی، البتہ جس نے حضور ﷺ کی حدیث میں قصداً جھوٹ بولا ہے اس کی روایت کبھی بھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ وہ خلوص کے ساتھ توبہ بھی کرلے۔ جیسے یہ بیشتر ائمہ سے منقول ہے جن میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوبکر حمیدیؒ جو امام بخاریؒ کے شیوخ کبار میں سے ہیں۔

اُمید ہے کہ مذکورہ بالا حوالہ جات سے صاف طور پر معلوم و محقق ہوگیا ہوگا کہ متقدمین و متأخرین علماء محدثین کا اجماع ہے کہ حدیث موضوع کا روایت کرنا بھی حرام ہے چہ جائیکہ وہ اس کے وضع کرنے کو جائز کہیں بلکہ ان کے نزدیک تو واضع حدیث کی کوئی روایت بھی مقبول نہیں ہوتی، جیسے کہ اوپر گذر چکا ہے، لہٰذا فاضل مقالہ نگار کا یہ کہنا کہ وضع حدیث ترغیب و ترہیب کے لئے یہ صرف کرامیۃ کا مسلک نہیں بلکہ متقدمین بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ سراسر علم حدیث و محدثین سے ناواقفیت کا اعتراف ہے، سچ ہے کسی کو اپنے دائرہ سے باہر قدم نہ رکھنا چاہئے ...... ع ایاز قدرِ خود بشناس

حدیث موضوع کی تعریف اور اس کا حکم بیان کرنے کے بعد اب ہم وضاعین حدیث کے دلائل باطلہ مع جوابات نقل کرتے ہیں، اس لئے کہ محقق موصوف نے انہی دلائل کا سہارا لے کر اس کہنے کی جرأت کی ہے کہ خود محدثین بھی حدیث کو بعینہٖ رسول کا قول یا فعل نہیں سمجھتے تھے“۔ (قسط پنجم ص ۱۵ فکر و نظر کراچی)

دلائل وضع حدیث اور ان کے جوابات :

ان دلائل میں دو دلیلیں امام نوویؒ نے شرح مسلم میں ص ۲۰ پر نقل کی ہیں فرماتے

ہیں :

۱۔ و شبهة زعمهم الباطل انه جاء فی روایة من کذب علیّ متعمدًا لیضل به الناس فلیتبوأ مقعده من النار۔

ان کے زعم باطل (جواز وضع حدیث کی دلیل، جس کی حقیقت ایک شبہ سے زیادہ نہیں یہ ہے کہ مشہور ومعروف حدیث متواتر کے بعض طرق میں لیضل الناس بہ کا اضافہ ہے (یعنی جس شخص نے میرے اوپر جھوٹ باندھا تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) بالفاظ دیگر یہ وعید مطلق کذب علی الرسول پر نہیں ہے بلکہ جو کذب لوگوں کے گمراہ کرنے کیلئے ہو وہ اس وعید کا مستحق ہے۔

۲۔ وزعم بعضهم ان هذا کذب له لا علیه۔ (شرح مسلم ص ۸)

اور بعض کہتے ہیں کہ ترغیب وترہیب کیلئے وضع کرنا یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جھوٹ بولنا ہے نہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جھوٹ بولنا (یعنی اگر لیضل الناس کی زیادتی کو صحیح نہ مانا جاوے تب بھی کذب علی الرسول اور چیز ہے اور کذب للرسول اور چیز ہے اس لئے کہ لفظ علیٰ ضرر اور نقصان کیلئے آتا ہے اور لفظ لام نفع کے لئے تو ترغیب وترہیب کیلئے حدیث کو وضع کرنا رسول اللہ ﷺ کے فائدہ کیلئے ہے کیونکہ اس سے قول وفعل رسول اللہ ﷺ کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور یہ وعید اس کذب کیلئے ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے یعنی لوگوں کو دین سے منحرف اور گمراہ کرنے کیلئے ہو لہٰذا ترغیب وترہیب کے لئے حدیث وضع کرنے والوں کیلئے یہ وعید نہیں۔

تنبیہ !

(**ان هذا کذب له لاعلیه**) کی نسبت ہمارے فاضل مقالہ نگار کی سینہ زوری دیکھئے فرماتے ہیں کہ امام نوویؒ کے اپنے بلیغ الفاظ یہ ہیں (**ان هذا کذب لهٗ لا علیه**)

حالانکہ مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام نوویؒ ''کرامیۃ'' کا قول نقل کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں، وشبهة زعمهم الباطل ...... الخ اس میں زعمھم میں ضمیر جمع کی ہے اور اس کا مرجع کرامیۃ اور بعض متصوفہ ہیں۔

محدثین وعلماءِ سنت نے اس کے تین جواب دیئے ہیں :

۱۔ حدیث میں ليضل الناس کا جملہ زیادتی ہے اور ازروئے قواعد اُصول حدیث باطل ہے اور بطلان کے دلائل امام ابوجعفر طحاویؒ المتوفی ۳۲۱ھ نے مشکل الاثار میں حسبِ ذیل بیان فرمائے ہیں :

حدثنا فهد قال حدثنا ابوسعيد الاشج ثنا يونس بن بكير عن الاعمش عن طلحة بن مصرف عن عمرو بن شرحبيل عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ من كذب على متعمدًا ليضل به فليتبوأ مقعده من النار و هذا حديث منكر و ليس احدٌ يرفعه بهذا اللفظ غير يونس بن بكير وطلحة بن مصرف ليس فى سنه مايدرك عمرو بن شرحبيل لقدم وفاته و قد حدثنا من غير حديث يونس بن بكير فادخل فيه بين طلحة و عمرو بن شرحبيل ابا عمار وهو غريب كما حدثنا احمد بن شعيب انبأ محمد بن علاء ثنا ابو معاوية حدثنا الاعمش عن طلحة عن ابى عمار عن عمرو بن شرحبيل و لم يذكر بعدهٗ ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ من كذب علّى متعمدًا ليضل الحديث ۔

(مشکل الآثار جلد اوّل ص ۱۷۳)

حدیث بیان کی ہم سے فہد نے اس نے کہا کہ ہم سے روایت کی ابوسعید الاشج نے اس نے کہا کہ ہم سے روایت کیا یونس بن بکیر نے یونس روایت کرتے ہیں اعمش سے اعمش روایت کرتے ہیں طلحۃ بن مصرف سے طلحۃ بن مصرف روایت کرتے ہیں عمرو بن شرحبیل سے اور عمرو بن شرحبیل روایت کرتے ہیں ابن مسعودؓ سے کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے اوپر جھوٹ باندھا تا کہ اس سے لوگوں

کو گمراہ کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے اور یہ حدیث منکر ہے کسی نے بھی یونس بن بکیر کے علاوہ اس لفظ (لیضل به) سے اس کو حدیثِ مرفوع بیان نہیں کیا ہے اور طلحہ بن مصرف بھی اتنی عمر کے نہ تھے کہ عمرو بن شرحبیل کے ساتھ ملاقات کی ہوتی ، کیونکہ اس کی وفات پہلے ہوچکی تھی ، حالانکہ یونس بن بکیر کے طریق کے علاوہ جو یہ حدیث ہم سے بیان کی ہے اس میں طلحہ بن مصرف اور عمرو بن شرحبیل کے درمیان ابا عمار کا اضافہ کیا ہے اور یہ ابوعمار غریب (مجہول) راوی ہے چنانچہ احمد بن شعیب سے اعمش کے طریق سے طلحہ اور عمرو بن شرحبیل کے درمیان اس ابوعمار کا اضافہ موجود ہے نیز اعمش نے اس سند میں ابن مسعود کا ذکر نہیں کیا (لہٰذا مذکورہ سابق سند میں یونس بن بکیر کو دو جگہ وہم ہوا ایک یہ کہ ابوعمار راوی کو درمیان سند میں ساقط کر دیا ، اصطلاحِ محدثین میں اس کو انقطاع کہتے ہیں ، دوسرے ابن مسعودؓ کا ذکر کر کے سند کو موصول کر دیا حالانکہ ابن مسعودؓ کا اس سند میں ذکر نہیں ہے ، اصطلاح محدثین میں اس کو ارسال کہتے ہیں ، لہٰذا یہ حدیث اس زیادتی کے ساتھ یونس بن بکیر کی سند سے منقطع اور مرسل ہے اور احمد بن شعیب کے طریق سے غریب اور شاذ ہے اس لئے کہ ابوعمرو راوی مجہول ہے ...... بہر صورت دونوں سندیں ساقط اور نا قابل اعتبار ہیں ، لہٰذا یہ حدیث اس زیادتی کے ساتھ باطل ہے۔

جواب نمبر ۲ جس کو امام طحاویؒ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

ولو كان الحديث صحيحاً لما كان مخالفًا لغيره من الاحاديث التى رويناها فى هذا الباب لان ذلك قد يجوز ان تكون على التوكيد لاعلىٰ ماسواه مثل ذلك قوله تعالىٰ فمن اظلم ممن افترى على الله كذبًا ليضل الناس بغير علم فذكر ذلك كذلك فى موضع واحد و ذكره فى سائر المواضع التى ذكره فيها من القرآن بغير ذكره معه الزيادة اللتى فى هذا الموضع و ذلك عندنا علىٰ توكيده حيث شاء ان يؤكد و تركه ذلك حيث شاء تركه والمعنى فيه كله واحدٌ ۔ (مشکل الآثار جلد اوّل ص: ۱۷۵)

اور اگر حدیث کو صحیح بھی مان لیا جاوے تب بھی یہ حدیث اُن احادیث کے مخالف نہیں ہو سکتی جو ہم نے اس باب میں روایت کی ہیں (اور وہ متواتر ہوں) کیونکہ ممکن ہے کہ (لیضل) میں لفظ لام محض تاکید کیلئے ہو نہ کہ تعلیل کیلئے جیسے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے بغیر دلیل کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرے (تو یہاں بھی صرف تاکید شناعت کے ظاہر کرنے کیلئے ہے اس لئے کہ افتراء علی اللّٰہ مطلقاً کفر ہے جیسا کہ دوسری تمام آیات قرآنیہ سے ثابت ہے اس لئے قرآن میں (لیضل) کا اضافہ ایک ہی جگہ پر ہے۔ باقی مواضع میں یہ اضافہ نہیں ہے، تو ہمارے نزدیک یہ اضافہ تاکید پر محمول ہوگا، جہاں اس کی مرضی ہوتی ہے، ذکر کرتا ہے جہاں نہیں ہوتی ذکر نہیں کرتا اور سب میں معنیٰ ایک ہی ہے۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے مختلف مواضع میں اس آیت کا ذکر کیا اور ان میں (لیضل الناس) کا اضافہ نہیں اور ایک جگہ تاکید شناعت افتراء کے ظاہر کرنے کیلئے (لیضل) کا اضافہ فرمایا ہے۔

لہٰذا جیسا کہ افتراء علی اللہ کا موجبِ کفر ہونا لیضلّ پر موقوف نہیں ہے، ایسے کذب علی الرسول کا حرام ہونا لیضل پر موقوف نہیں۔ اگر اس زیادتی کو صحیح کہا جاوے تو یہ توجیہ کرنا ضروری ہے تاکہ مشہور و معروف حدیث من کذب علی متعمدًا...... الخ‘ کے جو متواتر ہے، یہ حدیث متعارض و متضاد نہ ہو۔

جواب نمبر ۳ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لیضل بہ الناس میں لام کو لام صیرورۃ و عاقبۃ کہا جاوے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کذب کا انجام یہ ہے کہ اس سے لوگ گمراہ ہوں گے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا قول فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدوًّا و حزنا ہے اس آیت میں یہ لام لام عاقبۃ ہے کیونکہ آل فرعون نے موسیٰ علیہ السّلام کو اس لئے نہیں

اُٹھایا تھا کہ وہ ان کا دشمن ہو لیکن انجام اس کا یہی ہوا ایسے ہی گو کذب علی النبی لوگوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے نہ بھی ہو تب بھی اس کا انجام یہی ہوگا کہ لوگ گمراہ ہوں گے، اگر یہ دونوں تطبیق کی صورتیں نہ اختیار کی جائیں گی تو یقیناً وعید والی حدیث متواتر کے مقابلہ پر جو کم از کم ساٹھ صحابہؓ سے مروی ہے، یہ روایت اس زیادتی کے ساتھ مردود ہوگی، اس لئے کہ بجز ان دو طریق کے اور کسی راوی کی روایت میں یہ الفاظ مذکور نہیں۔

وضاعین حدیث کی دوسری دلیل (ان ھٰذا کذب له لا علیه) ہے (کہ یہ تو جھوٹ آپ ﷺ کے نفع کے لئے ہے نہ کہ آپ ﷺ پر (نقصان کیلئے) اس کے متعلق امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

و من اعجب الاشیاء قولھم ھذا کذب له و ھذا جھل منھم بلسان العرب و خطاب الشرع فان کل ذلک عندھم کذب علیه۔

فرماتے ہیں کہ کرامیۃ کا یہ ایک عجیب قول ہے کہ یہ (وضع حدیث ترغیب و ترہیب کیلئے) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے جھوٹ باندھنا ہے (نہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا لغتِ عربی اور خطاب شرع سے ناواقفیت کی دلیل ہے کیونکہ یہ سب اقسامِ کذب امت کے نزدیک کذب علی النبی ہیں کیونکہ کذب کا صلہ لام آتا ہی نہیں بلکہ علیٰ ہی آتا ہے)

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے احادیث میں مطلق کذب سے منع فرمایا جیسے بخاری شریف باب اثم من کذب علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم میں امام بخاریؒ نے چار احادیث نقل فرمائی ہیں جن میں پہلی حدیث یہ ہے:

حدثنا علی بن الجعد قال اخبرنا شعبة قال اخبرنی منصور قال سمعت علیّا یقول قال النبی ﷺ لا تکذبوا علیّ فانه من کذب علیّ فلیلج النار۔

امام بخاریؒ بسند متصل حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری طرف جھوٹی بات کی نسبت نہ کرو جس نے میری طرف جھوٹی نسبت کی پس چاہیئے کہ وہ دوزخ میں داخل ہو جاوے۔

مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں علامہ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ فتح الباری جلد اوّل ص ۱۶۱ پر فرماتے ہیں:

ھو عام فی کل کاذب مطلق فی کل نوع من الکذب و معناہ لا تنسبوا الکذب الیّ و لا مفھوم لقولہ علیّ لانہ لا یتصور ان یکذب لہ لنھیہ عن مطلق الکذب ۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب کی وعید ہر کاذب کو شامل ہے چاہے وہ کذب کسی نوع کا بھی ہو (چاہے وہ ترغیب و ترہیب کیلئے ہو چاہے کسی دوسرے مقصد کیلئے اور چاہے وہ کذب علی النبی ہو یا کذب للنبی ہو) اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ''میری طرف جھوٹی بات کی نسبت نہ کرو'' اور لفظ علیّ کا مفہوم مخالف معتبر نہیں (تا کہ کذب للنبی جائز ہو) کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مطلق جھوٹ سے منع کیا ہے۔

واضعین حدیث ابن ماجہ کی مذکورہ ذیل روایت بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

حدثنا علی بن منذر ثنا محمد بن فضیل ثنا المقبری عن جدہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا اعرفن ما یحدث احدکم عنی الحدیث وھو متکئی علی اریکتہ "فیقول اقرء قرأنا ما قیل من قول حسن فانا قلتہٗ"۔

(سنن ابن ماجہ باب اتباع السنۃ ص:۴)

روایت کی ہم سے علی بن منذر نے انہوں نے محمد بن فضیل سے انہوں نے مقبری سے انہوں نے اپنے دادا سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات ہرگز نہیں پہنچنی چاہیئے کہ تم میں سے

کوئی اپنی گدی پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوا یہ کہہ دے کہ مجھے تو قرآن سناؤ (یعنی قرآن کے ہوتے ہی حدیث نہیں سننا چاہتا) جو بھی اچھی بات کہی گئی تو جان لو کہ وہ میں نے ہی کہی ہے۔

اس حدیث کے متعلق محقق موصوف فرماتے ہیں کہ :

''اس حدیث کا قوسین والا ٹکڑا قابل غور ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے ہم عصر محدث امام احمد بن عمرو البزارؒ کے مسندوں میں ان ہی حضرت ابی ہریرةؓ کی روایت مگر دوسرے طریق سے یہی زیادہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے اس میں مندرجہ بالا ٹکڑے کی جگہ یہ الفاظ ہیں :

ماجاء کم عنی من خیر قلته او لم اقله فانااقوله و مااتاکم من شر فانی لا اقول الشر۔

جو بھی بھلی بات میرے حوالے سے تم تک پہنچے تو (سمجھ لو) کہ میں نے ہی کہی ہے خواہ میں نے (فی الواقع کہی ہو یا نہ کہی ہو) اور اگر بری بات پہنچے (تو جان لو کہ) میں بری بات کبھی نہیں کہتا۔

اس کے بعد فاضل مقالہ نگار کہتے ہیں :

''مؤخر الذکر اسناد میں ایک راوی ابو معشر نجیح کے بارے میں اسماء الرجال کے ماہروں کا اختلاف ہے، لیکن اس کی تائید مزید حضرت ابوسعید یا ابوحمید سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبل اور امام یعلیٰ نے اپنے مسندوں میں روایت کیا ہے اور اسے امام سیوطی نے حدیث صحیح قرار دیا ہے، اس کا متن یوں ہے :

اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفه قلوبکم و تلین له اشعارکم وابشارکم و ترون انه منکم قریب فانا اولاکم به و اذا سمعتم الحدیث عنی تنکرہ قلوبکم و تنفر منه اشعارکم و ابشارکم و ترونَ انه بعید منکم فانا ابعد کم منه ۔

جب تم میری کوئی ایسی حدیث سنو جو تمہارے دل کو لگتی ہو اس سے تمہارے احساسات اور چہرے بشرے میں نرمی پیدا ہوتی ہو اور تم اپنے آپ کو ادھر کھنچتا ہوا پاؤ تو جان لو کہ اس حدیث کی (نسبت کیلئے) میں تم سے زیادہ حقدار ہوں اور اگر تم میری کوئی ایسی حدیث سنو جو تمہارے دل کو نہ لگتی ہو اور اس سے تمہارے احساسات اور چہرے بشرے میں نفرت کا اظہار ہو اور تم اس سے اپنے آپ کو ہٹتا ہوا پاؤ تو جان لو کہ اس حدیث سے میں تمہاری نسبت زیادہ دور ہوں۔

اب مذکورہ بالا روایات اور محقق موصوف کی تائید کو مدنظر رکھ کر جواب دینا چاہتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق)

مسند احمد والی روایت ماجاء کم عنی من خیر قلتہ اولم اقلہ فانا اقولہ وما اتاکم من شر فانی لا اقول الشر کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ مفتاح الجنۃ ص ۱۷ پر لکھتے ہیں کہ :

قال البیھقی صدر ھذا الحدیث موافق للاحادیث الصحیحۃ فی قبول الاخبار و قولہ قلتہ اولم اقلہ فی ھذہ الاحادیث ما لایلیق بکلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولایشبہ المقبول۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث کا حصہ اوّل تو احادیث صحیحہ کے موافق ہے اور متعدد طرق سے مروی ہے لیکن یہ آخری جملہ کہ (میں نے وہ بات کہی ہو یا نہ کہی ہو) یہ حضور ﷺ کے کلام کے شایانِ شان ہرگز نہیں اور نہ یہ کلام مقبول معلوم ہوتا ہے۔

باقی محقق موصوف کا یہ کہنا کہ اس کی مزید تائید حضرت ابوسعید یا ابوحمید سے مروی حدیث سے ہوتی ہے اور اس کو جلال الدین سیوطیؒ نے حدیثِ صحیح قرار دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت پہلی روایت کے مؤید اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اس

روایت میں صرف علامت صحت حدیث کا بیان کرنا مقصود ہے اور پہلی حدیث میں صراحۃً قلتہ ادلم اقلہ کا ذکر ہے۔

فاضل مقالہ نگار سے راوی کے نام میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ مفتاح الجنۃ ص ۱۷ پر فرماتے ہیں (عن ابی حمید او ابی اسید) اور موصوف نے ابی اسید سے ابوسعید بنالیا مگر یہ کچھ بعید نہیں جس علم سے انسان کو مس (مناسبت) نہ ہو اس میں ایسی ہی ٹھوکریں لگا کرتی ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا روایت میں یہ اضافہ صحیح نہیں ہے جیسے کہ امام بیہقیؒ نے تصریح فرمائی۔ باقی حدیث ابن ماجہ کے متعلق ابوالحسن محمد بن عبدالہادی شارح ابن ماجہ المتوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں کہ :

وهذا المعنى مما انفرد به المصنف ص ۱۳ شرح ابن ماجه على الهامش۔

یعنی یہ ان احادیث میں سے ہے جن کے ساتھ مصنفؒ منفرد ہے۔

علاوہ ازیں مان لیجئے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن دوسرے تمام رواۃ اس زیادتی کو نقل نہیں کرتے اور اس کا کوئی متابع (مؤید) بھی نہیں ہے، لہٰذا روایت شاذ ہوئی کیونکہ شاذ کی تعریف حاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المتوفی ۴۰۵ھ نے یہ کی ہے :

هو الذى يتفرد به ثقة و ليس له اصل يتابع ذلک الثقة ۔ (توضیح الافکار ص:۳۷۷)

یعنی حدیث شاذ وہ ہے جس کو روایت کرنے میں ایک ثقہ راوی متفرد ہو اور اس کا کوئی متابع (مؤید) بھی نہ ہو۔

اور شاذ روایت کا حکم امام خلیلی توضیح الافکار ص ۳۷۹ میں حسبِ ذیل بیان کرتے ہیں :

ثم قال الخليلى فى ما كان من غير ثقة فمتروك لايقبل و ما كان عن ثقة

یتوقف فیہ و لایحتج بہ۔

امام خلیلیؒ فرماتے ہیں کہ غیر ثقہ کی شاذ روایت تو متروک اور غیر مقبول ہے اور جو شاذ ثقہ راوی سے مروی ہوگی، اس میں توقف کیا جاوے گا اور اس سے استدلال نہ کیا جا سکے گا۔

بہر حال ابن ماجہ کی روایت شاذ ہے اس لئے قابل استدلال نہیں، اس لئے کہ اور کوئی راوی **ما قیل من قول حسن فانا قلتہ** (جو بھی اچھی بات کہی گئی ہو تو جان لو کہ وہ میں نے ہی کہی ہے) کا اضافہ نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی معروف روایت کے خلاف ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من قال علیّ ما لم اقل فلیتبوا بیتا فی جھنم۔ (مشکل الآثار للطحاوی ص ۱۷۱)

ابی ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر ایسی بات کہی جو میں نے نہ کہی ہو پس وہ شخص اپنا گھر دوزخ میں بنا لے۔

لہٰذا یہ روایت شاذ اور قابلِ استدلال نہیں ہے۔

اسی طرح مجوزین وضع حدیث یہ روایت بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ان الحدیث سیفشوا عنی فما اتاکم عنی یوافق القرآن فھو عنی و ما اتاکم عنی یخالف القرآن فلیس عنی۔

عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ مجھ سے لوگ بکثرت حدیثیں روایت کریں گے تو جو حدیث میرے نام سے تم تک پہنچے اگر وہ قرآن کے موافق ہو تو وہ یقیناً میری کہی ہوئی

بات ہے اور اگر اس کے خلاف ہے تو وہ میری حدیث نہیں ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ مفتاح الجنۃ ص ۱۴ میں اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند میں خالد راوی مجہول ہے اور ابو جعفر صحابی نہیں ہے۔ لہٰذا روایت منقطع ہوگئی۔

اس کے بعد ص ۱۵ پر فرماتے ہیں کہ یہی روایت اور بہت طرق سے مروی ہے لیکن سب کے سب ضعیف ہیں۔ محقق موصوف بغیر سند بیان کئے کسی روایت پر صحیح سند ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں کتنا بے لگام قلم ہے۔

وضاعین حدیث اسی طرح مندرجہ ذیل حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کو امام سیوطیؒ نے مفتاح الجنۃ میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں :

بشر بن نمیر عن حسین بن عبد اللّٰہ عن ابیہ عن جدہ عن علیؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال انہ سیاتی ناس یحدثون عنی حدیثا فمن حدثکم حدیثا لا یضارع القرآن فلم اقلہ۔

بشر بن نمیر حسین بن عبداللہ سے روایت کرتا ہے، وہ اپنے باپ سے اس کا باپ اس کے دادا سے روایت کرتا ہے وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آئندہ زمانہ میں کثرت سے لوگ مجھ سے حدیثیں روایت کریں گے، لہٰذا (یاد رکھو) جو حدیثیں قرآن کے مشابہ ہوں وہ میں نے کہی ہیں اور جو حدیثیں قرآن کے مشابہ نہ ہوں سمجھ لو وہ میں نے نہیں کہی۔

اس کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ نے مفتاح الجنۃ ص ۱۵ پر فرمایا ہے :

قال البیھقی ھذا اسناد ضعیف لایحتج بمثلہ حسین بن عبداللّٰہ بن ضمیرۃ قال

فيه ابن معين ليس بشئ و بشر بن نمير ليس بثقة ۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اتنی ضعیف ہے کہ اس جیسی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا (اس کا ایک راوی) حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ جس کے متعلق ابن معینؒ نے فرمایا کہ وہ کچھ نہیں ہے اور اس میں ایک راوی بشر بن نمیر ہے وہ بھی ثقہ نہیں ہے۔

تو یہ روایت اپنے ضعف کی وجہ سے قابل استدلال نہ رہی۔

مذکورہ بالا تفصیل پر غور کرنے کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نہ علماء متقدمین جواز وضع حدیث کے قائل ہیں اور نہ امام نوویؒ بلکہ اس کے برعکس وہ حضرات واضع حدیث پر وہ حکم عائد کرتے ہیں جو اس سے پہلے مفصل گذر چکا ہے، لہٰذا وضع حدیث کرنے والے صرف ملحدین اور زنادقہ ہی ہوئے ہیں جن کی دست درازی سے عام لوگوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا پیارا نبی محمد رسول اللہ ﷺ بھی نہ بچا۔ (العياذ بالله)

اور کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے کہ :

مانجى الله و الرسول معًا من لسان الورى فكيف انا

(اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (دونوں) لوگوں کی زبان درازی سے نہ بچے تو میں کیسے بچ سکتا ہوں)

ہم درگارِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ وہ اِن جیسے ملحدین و منکرینِ حدیث سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

و يرحم الله عبدًا قال آمينا ...... هذا ما عندى و الله اعلم بالصواب

....

تمنا عمادی کے الزامات کی حقیقت

پاکستان میں ریسرچ وتحقیق کے نام سے ایک مخصوص مغرب زدہ طبقہ دشمنِ اسلام مستشرقینِ یورپ شاخت اور گولڈ تسہیر کے نقشِ قدم پر چل کر حدیث اور علومِ حدیث کے خلاف تحقیق وتنقید اور فکر و نظر کی آڑ میں سازشوں میں مصروف ہے۔ ان تجدد پسندوں اور نام نہاد محققین کے گروہ میں علامہ تمنا عمادی بھی ہیں جن کا قلم ملّتِ مسلمہ کے متفقہ نظریات اور مبادئ دین کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف رہتا ہے۔ پچھلے چند دنوں سے علم حدیث کے امہات کتب صحاح ستہ (بخاری و مسلم وغیرہ) کے خلاف ان کی ہرزہ سرائی اور صحاح ستہ پر تنقید کی آڑ میں سنتِ رسول ﷺ سے مسلمانوں کا اعتماد اُٹھوانے کی سعی جاری ہے، ملت مسلمہ کے معتمد علیہ کتبِ حدیث (جن کی صحت وعظمت مسلمانوں کے اعتقاد میں رچ بس گئی ہے) کے خلاف توہین و دل آزاری کا یہ سلسلہ اس نام نہاد تحقیقی ادارہ کے رسائل و جرائد کے ذریعہ جاری ہے، جس پر حکومت کے خزانے سے لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ ہو رہے ہیں...... **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ایک ہونہار فاضل مولانا محمد زمان ڈیروی نے اپنے اس مضمون میں تمنا عمادی صاحب کی صحاح ستہ پر تنقیدات کا فاضلانہ محاسبہ کیا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ دارالعلوم کے ایک قابل فرزند کے قلم سے عصر حاضر کے ان ''مستغربین'' کی تخریبی کوششوں پر گرفت کی جارہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہم اس سلسلہ میں فضلاء دارالعلوم حقانیہ کے بعض دیگر علمی نگارشات بھی شائع کر رہے ہیں۔ مولانا محمد زمان ڈیروی دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کے درجۂ تخصص میں رہے اور اب مدرسہ نجم المدارس کلاچی میں مدرس ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ میدانِ تنقید و محاسبہ کے اس نو وارد سپاہی کے مضمون میں اگر تحریر و انشاء کے لحاظ سے کچھ جھول نظر آئے تو اس سے صرفِ نظر کر کے مضمون کی معنویت اور افادیت کی قدر کی جائے گی۔

(ادارہ الحق اکوڑہ خٹک)

اگر فرصت ملی ہو غیر کی باتوں کے سننے سے
ہماری بات بھی سن لیجئے حضرات تھوڑی سی

جس طرح علماءِ دین نے ہر دور میں دین کی خدمت کیلئے اپنی جان و مال قربان کر کے انتھک کوششوں کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح دین اور اسلام میں رخنہ انداز طبقہ نے بھی دین کے مٹانے اور الحاد و زندقہ کے پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ موجودہ دور میں اس سے ہرگز انکار نہیں ہوسکتا کہ ایسے علماءِ دین ضرور ہیں جو دین اور اسلام کی حفاظت اور سالمیّت کیلئے للّٰہی جذبہ کے تحت شب و روز اسی کام میں مصروف ہیں، لیکن ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو اپنے ناقص علم کی آڑ میں لوگوں کو گمراہ اور دین سے ہٹانے کیلئے مختلف ذرائع سے تخریبی کوشش کررہے ہیں ...... چنانچہ عصرِ حاضر کے ایک "محدث" علامہ تمنا عمادی جس کی علم الرجال میں "مہارت" کے بعض بادی النظر ہم خیال لوگ ضرور معترف ہیں۔ اپنے اس علم کے اظہار کیلئے چند مشہور رواۃ جن کی عدم معصومیت ثابت کرنے کیلئے ائمہ جرح وتعدیل نے اظہارِ حقیقت کے طور پر محدثانہ اصطلاحات میں جرح وتعدیل کی تھی۔ آپ نے اس محدثانہ جرح وتنقید کو خود ساختہ قواعد کے تحت عیوب سمجھ کر ان کو متہم کر دیا، جس سے غالباً ان کی غرض اصلی مسلمانوں کا کتب صحاح سے اعتماد ختم کرنا ہے، لیکن تاریخ ماضی کی روشنی میں یقین ہے کہ موصوف تا قیامت اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے ...... چنانچہ آپ نے اپنے اس ارادہ کا اظہار ماہنامہ "فکر ونظر" بابت ماہِ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں افکار کے عنوان کے تحت ص ۲۷۱ اور ۲۷۲ پر ذیل کے الفاظ میں کردیا :

"مگر جب صحاح تک ہر کتاب میں ایسی حدیثیں دیکھتا ہوں جن سے رسول اللہ کے خُلقِ عظیم پر حرف آتا ہو، قرآنِ مجید کی محفوظیت و لاریبیّت پر زد آتی ہو تو میرا خون کھولنے لگتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ان کتابوں کو پھاڑ کر چولہے میں جھونک دوں؟

اور اسی صفحہ پر چند سطور کے بعد مزید گوہر افشانی فرماتے ہیں :

''صحاح ستہ وغیرہ کو صرف اہلِ سنت کی کتاب کہنا غلط اور ظلم ہے''۔

(فکر ونظر ص ۲۷۱)

اس کے بعد ص ۲۷۲ پر ایک سند جس کی ابتداء **حدثنا ابو عبد اللّٰہ محمد بن اسمٰعیل بن المغیرۃ ...... الخ** ' سے ہوتی ہے، نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

''فرمایئے کیا یہ امام بخاری کے بعد ان کے کسی شاگرد نے نہیں لکھا، یا امام بخاری خود لکھ رہے ہیں، اس لئے اس کتاب میں کذبِ صریح تک بھی موجود ہے، اور تقریباً یہی حال صحیح مسلم کا ہے''۔

محقق موصوف نے اپنے مذکورہ بالا دعویٰ کیلئے نہ تو کوئی دلیل پیش کی اور نہ کچھ اور کہا، صرف یہ ارشاد فرمایا :

''امام بخاری اپنی کتاب کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکے تھے، مسوّدہ ہی چھوڑ کر راہی جنت ہو گئے، وہ زمانہ اقبال کا تھا، شیعہ سنی کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا۔ قدریہ' جبریہ' خارجی سب فرقے ملے جلے تھے، اس لئے ہر کتاب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی تھا۔ خارجیوں کا بھی اور قدریوں اور جبریوں کا بھی''۔

''پھر محدثین کے بعد ان کی کتابیں مسودے کی شکل میں ان کی تلامذہ کے ہاتھوں میں آ کر بھی کمی بیشی تصحیف وتحریف سے بچتی نہ تھیں، صحیح بخاری میں کتنی حدیثیں آپ کو ملیں گی، جن کو امام بخاری خود اپنی ذات سے روایت کر رہے ہیں۔ مثلاً باب الافک کی داستان والی لمبی حدیث کے بعد ایک مختصر سی حدیث کے بعد یعنی اس باب کی تیسری حدیث پڑھئے۔

''**حدثنا ابو عبد اللّٰہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ الجعفیؒ**''۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگرچہ اس وقت بہت سے فتنے نمودار ہو چکے

ہیں اور بحمد للہ علماء دین مسند درس و تدریس کے علاوہ تبلیغ تقریر و تحریر کے ذریعہ سے بھی ان کے جوابات دے رہے ہیں، لیکن چونکہ ہم اس وقت درجہ تخصص فی علوم الحدیث میں اسماء الرجال ہی پر کام کر رہے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ مولانا موصوف کے اس غلط اتہام کا جواب دیا جائے اور مولانا کے اس کہنے سے کہ ''میرا جی چاہتا ہے کہ ان کتابوں کو پھاڑ کر چولہے میں جھونک دوں''۔ ہمارا خون بھی کھولنے لگتا ہے کہ جن اوراق میں علامہ موصوف نے یہ گوہر افشانی فرمائی ہے، انہیں آگ میں جلا کر اس کی راکھ بھی ''گنگا جمنا'' کی نذر کیا جاوے، لیکن پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ :

و قل لعبادی یقول التی ھی احسن ان الشیطان ینزغ بینھم ان الشیطان کان للانسان عدوًا مبینا۔

اور کہہ دے میرے بندوں کو بات وہی کہیں جو بہتر ہو شیطان جھڑپ کرواتا ہے، ان میں بیشک شیطان انسان کا دشمن صریح ہے۔ (ترجمہ از شیخ الہند)

اور قولہ تعالیٰ **و جادلھم بالتی ھی احسن** کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

ذرا ناظرین کرام بھی ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ بخاری شریف جس کی صحت عالم اسلام میں روزِ روشن کی طرح عیاں و مسلّم ہے اور ہر شخص کی زبان پر یہی بات ہے کہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعد بخاری شریف ہی کا درجہ ہے اور اس کی صحت پر اتنا بڑا اتفاق کیوں نہ ہو، جس کے معیارِ صحت کیلئے مصنف موصوفؒ نے کتنے بڑے سے بڑے اور سخت سے سخت قیودات لگائے ہیں، اور اس کے لئے کتنے طویل و عریض سفر طے کئے ہیں، پھر آپ نے جس اہتمام اور تقویٰ سے اس کی ترتیب و تدوین کی ہے، اس کا لازمی نتیجہ اس کی مقبولیت کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مصنفؒ کے شاگرد ابو عبد اللہ محمد بن یوسف فربریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام

بخاریؒ سے سنا کہ ''میں نے اپنی کتاب میں ہر حدیث کے نقل کرنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نفل پڑھے ہیں'' ...... اور عبدالقدوس بن ہمامؒ سے روایت ہے کہ میں نے بہت سے مشائخ سے یہ بات سنی ہے کہ امامِ بخاریؒ نے اپنی کتاب کے تراجم حضور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک اور منبر کے درمیان لکھے ہیں۔ امامؒ کا معمول تھا کہ ہر ترجمۃ الباب کیلئے دو رکعت نفل پڑھا کرتے، اب آپ انصاف سے فرماویں کہ ''علامہ'' موصوف کے اس کہنے کہ ''صحیح بخاری میں کذب صریح تک موجود ہے'' کی مثال ایسی ہے کہ روزِ روشن کو رات کہا جائے .... شیخ سعدیؒ نے خوب فرمایا .... ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

بہر حال ہمیں بخاری کی صحت سے کوئی کلام نہیں کہ اس حقیقت سے ہر باخبر اور ذی علم واقف ہے۔ تاہم صحیح بخاری کی عظمت وصحت کے بارہ میں چند اقوال پیش کرنا مناسب ہے ...... چنانچہ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی المتوفی ۵۰۷ھ اپنی کتاب شروط الائمۃ الستہ میں فرماتے ہیں :

فاعلم ان شرط البخاری و مسلم ان یخرج الحدیث المتفق علی ثقة نقلته الی الصحابی المشهور من غیر اختلاف بین الثقات الاثبات و یکون اسناده متصلا غیر مقطوع ...... الخ۔ (شروط الائمۃ الستہ ص ۱۱)

جاننا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب میں ایسی احادیث نقل کریں گے جن پر سب ثقہ لوگوں کا اتفاق ہو اور اس کی سند بالکل متصل ہو یعنی درمیان میں کوئی راوی ساقط نہ ہوا ہو۔

علامہ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ مقدمہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں :

و قال ابو احمد بن عدی سمعت الحسن بن الحسین البزاز یقول سمعت

ابراھیم بن معقل النسفی یقول سمعت البخاری یقول ما ادخلت فی کتابی الجامع الاماصح و ترکت من الصحیح حتیٰ لا یطول۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۵)

ابواحمد بن عدیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن الحسین سے سناوہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن معقل سے سنا آپ نے فرمایا کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی کتاب (صحیح بخاری) میں صرف صحیح احادیث نقل کئے اور بہت سے صحیح احادیث کتاب کے طویل ہونے کے خطرے سے چھوڑ دئے۔

اسی طرح ص ۴۹۰ پر لمبی سند نقل کر کے لکھتے ہیں:

سمعت ابا زید المروزی یقول کنت نائما بین الرکن و المقام فرائیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی المنام فقال لی یا ابازید متی تدرس کتاب الشافعی و لاتدرس کتابی فقلت یا رسول اللّٰہ و ما کتابک قال جامع محمد بن اسمٰعیل۔

فرماتے ہیں کہ میں نے ابوزید مروزی سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا، آپ فرمارہے تھے کہ اے ابوزید آپ کب تک امام شافعیؒ کی کتاب پڑھاتے رہیں گے اور میری کتاب نہیں پڑھاتے، میں نے عرض کیا حضور ﷺ آپ کی کتاب کون سی ہے، جواباً فرمایا کہ میری کتاب امام بخاریؒ کی جامع (یعنی صحیح البخاری) ہے۔

اسی مذکورہ صفحہ پر ذکر کرتے ہیں:

قال عمر بن محمد البجیری سمعت محمد بن اسمٰعیل یقول صنفت کتابی الجامع فی المسجد الحرام وما ادخلت فیہ حدیثا حتی استخرت اللّٰہ تعالیٰ و صلیت رکعتین و تیقنت صحتہ۔

عمر بن محمد البجیری فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سناوہ فرماتے تھے کہ

میں نے اپنی جامع کی تصنیف مسجد حرام میں کی ہے، اور میں نے اس میں کوئی حدیث نہیں لکھی، مگر لکھنے سے پہلے میں نے استخارہ کیا اور دو رکعت نفل پڑھے اور مجھے اس کی صحت کا یقین ہو گیا۔

اسی طرح علامہ حافظ ابو عمر وعثمان بن عبدالرحمٰن الشہر زوری المتوفی ۶۴۳ھ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۸ اور علامہ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری ص ۸ پر نقل کرتے ہیں :

و کتابهما اصح الکتب بعد کتاب اللّٰه العزیز۔

امام بخاریؒ اور مسلمؒ کی کتابیں کتاب اللہ (قرآنِ مجید) کے بعد سب سے زیادہ صحیح ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن کثیرؒ متوفی ۷۷۴ھ اپنی کتاب اختصار علوم الحدیث میں فرماتے ہیں :

فهما اصح کتب الحدیث والبخاری ارجح لانه اشترط فی اخراجه الحدیث فی کتابه هذا ان یکون الراوی قد عاصر شیخه و ثبت عنده سماعه منه ۔

(اختصار علوم الحدیث ص ۲۵)

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری اور مسلم کتبِ حدیث میں اصح ہیں، البتہ بخاری کا درجہ زیادہ راجح ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اپنی کتاب میں حدیث ذکر کرنے کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس راوی کی معاصرت شیخ سے ثابت ہو اور اس سے سماع بھی کیا ہو۔

ان کے علاوہ محمد بن اسمٰعیل الصنعانی متوفی ۱۱۸۲ھ توضیح الافکار ص ۴۸ ج ۱ پر ذکر کرتے ہیں :

قال زین الدین و علی کل حال کتاباهما اصح کتب الحدیث۔

زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ بہر حال (چاہے بخاری اصح ہو یا مسلم) یہ

دونوں کتابیں احادیث میں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔

پھر فرماتے ہیں :

فقد اتفق الکل علی انھما اصح الکتب۔

یعنی جمہور علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ کتب حدیث میں یہ دو کتابیں زیادہ صحیح ہیں

اسی طرح علامہ سید قاسم الاندجانی اپنی کتاب المصباح پر رقمطراز ہیں :

و اتفقت الامۃ الاسلامیۃ علی ان اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری و صحیح مسلم۔ (المصباح ص ۳۸)

اور پوری اُمتِ اسلامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ (قرآنِ مجید) کے بعد سب سے زیادہ صحیح بخاری شریف اور مسلم ہے۔

اسی طرح علامہ کرمانیؒ شرح بخاری ص ۳ پر فرماتے ہیں : **ھو اصح الکتب المؤلفۃ فیہ علی الاطلاق و المقبل علیہ بالقبول من ائمۃ الآفاق.**

فنِ حدیث میں سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری تصنیف کی گئی ہے اور اس کو آفاق کے ائمہ کی مقبولیت عامہ کا شرف حاصل ہے۔

اکابر و اساطینِ ملت کے مذکورہ بالا اقوال و دلائل آپ کے سامنے ہیں۔ ان سے صحیح بخاری کی صحت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جس کو حضور ﷺ اپنی کتاب کہیں اس کی صحت میں کیا شک ہو سکتا ہے اور بعض دلائل تو اس میں نص صریح ہیں کہ اس کی صحت پر اُمت کا اجماع ہے۔

تو اگر مولانا موصوف اجماع کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ اس میں کذب صریح تک موجود ہے تو ہم آپ کو یہ آیت ضرور سنانا چاہتے ہیں :

و من یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما

تولّٰی و نصلہٖ جھنم وساء ت مصیرا ۔

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔ (ترجمہ از شیخ الہندؒ)

پھر خود شیخ الہندؒ حاشیہ میں فرماتے ہیں : اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ اجماعِ اُمت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے، یعنی اجماعِ اُمت کو ماننا فرض ہے، حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔

ہم علامہ موصوف سے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ وہ اپنے علمی وقار کو قائم رکھتے ہوئے اگر ایسا نہ کریں تو بہتر ہے، کیونکہ صحیح بخاری کی صحت میں اس وقت کوئی کلام کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

باقی محقق موصوف کا یہ کہنا کہ ’’جب میں صحاحِ ستہ تک کی ہر کتاب میں ایسی حدیثیں دیکھتا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم پر حرف آتا ہو، قرآن کی محفوظیت ولاریبیت پر زد آتی ہو‘‘۔

اور اسی طرح یہ کہنا کہ ’’ہر کتاب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی تھا خارجیوں کا بھی اور جبریوں کا بھی‘‘۔ اس پر محقق موصوف نے اپنے دعویٰ کے ثبوت کیلئے کوئی دلیل پیش نہیں کی محض دعوی ہی دعوی ہے، اگر آپ کے پاس کوئی قوی دلیل ہوتی تو ضرور بیان کر دیتے۔

صحیح بخاری پر کمی زیادتی کا الزام اور اس کا جواب :

باقی کتاب [illegible] شیعہ یا قدری کی روایت ہونے سے یہ کبھی لازم نہیں آتا کہ اس [illegible] کا حصہ بھی تھا۔ البتہ مقالہ نگار نے آخر میں یہ ضرور کہہ دیا کہ ’’مثلاً باب الافک کی

داستان والی لمبی حدیث کے بعد ایک مختصر سی حدیث کے بعد یعنی اس باب کی تیسری حدیث پڑھیئے : حدثنا ابو عبد اللّٰہ محمد بن اسمٰعیل بن المغیرۃ الجعفی رحمۃ اللّٰہ علیہ ۔ فرمایئے کیا یہ امام بخاری کے بعد ان کے کسی شاگرد نے نہیں لکھا ہے، یا امام بخاریؒ خود لکھ رہے ہیں۔

افسوس کہ علامہ موصوف کو اتنے لمبے چوڑے دعویٰ کیلئے ساری بخاری میں یہی ایک حدیث ملی ہے اور اس سے بھی استدلال بہت کمزور ہے۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ ثابت کر دیں کہ یہ روایت امام بخاریؒ نے خود اپنی کتاب میں رکھی اور اس کی تخریج کی ہے۔ ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی تخریج خود امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں کی ہے، نہ کہ کسی شاگرد نے اس میں داخل کر دی، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر بخاری شریف کے ہر نسخہ میں یہ اضافہ موجود ہونا چاہئے تھا، حالانکہ آپ ذرا بخاری شریف مطبع دار احیاء الکتب العربیہ جلد ۳ ص ۲۱) کو اُٹھا کر دیکھیں، اس میں سند اس طرح مذکور ہے ...... حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل ، حدثنا ابو عوانہ عن حصین عن ابی وائل قال حدثنی مسروق بن الاجدع قال حدثتنی ام رومان وھی ام عائشۃ ...الخ ۔

اس میں یہ اضافہ بالکل موجود نہیں ، اسی طرح آپ عمدۃ القاری جلد ۸ ص ۲۷۴ اور فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۱ اور الکواکب الدراری ج ۱۶ ص ۶۱ نکال کر دیکھیں، یہ روایت بعینہٖ مذکورہ بالا سند سے نقل ہے اور اس میں حدثنا ابو عبداللہ محمود بن اسمٰعیل الخ، کا اضافہ نہیں ہے۔ اسی طرح بخاری مطبوعہ اصح المطابع جس میں یہ اضافہ موجود ہے، اس کے نیچے بین السطور صاف لکھا ہے کہ ولیس ھٰذا فی اکثر النسخ الموجودۃ (یعنی یہ اضافہ دوسرے اکثر موجودہ نسخوں میں نہیں ہے) تو ایسے بہت سے نسخوں سے جن میں یہ اضافہ موجود نہ تھا، صرف نظر کر کے ایک ہی نسخہ پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھنا سوءِ باطن اور تعصب والحاد کا بیّن

ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ مزید تائید کے لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث خود امام بخاریؒ کے پیش نظر تھی اور آپ نے ہی اس کا استخراج کیا، کیونکہ فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۲ اور عمدۃ القاری ج ۸ ص ۵۷۵ میں ام رومانؓ اور مسروقؒ وغیرہما پر لمبے چوڑے بحث کے بعد یہ جملہ نقل ہے فرماتے ہیں :

اخرج البخاری هذا الحدیث بناء علی ظاهر الاتصال و لم یظهر له علیه . انتهی۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کی تخریج متصل ہونے کی وجہ سے کی ہے اور آپ کو اس میں کوئی خرابی معلوم نہ ہوئی۔

اسی طرح علامہ ابن حجرؒ فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۲ پر یہ بھی نقل کر رہے ہیں، فرماتے ہیں :

ذکره الزبیر بن بکار بسند منقطع فیه ضعف ان ام رومان ماتت سنة ست فی ذی الحجة و قد اشار البخاری الی رد ذلک فی تاریخه الاوسط الصغیر فقال بعد ان ذکر ام رومان فی فصل من مات فی خلافة عثمان روی عن علی بن یزید عن القاسم قال ماتت ام رومان فی زمن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم سنة ست قال البخاری و فیه نظر و حدیث مسروق اسند ای اقوی اسنادا و ابین اتصالا ۔

اور زبیر بن بکار نے ایک منقطع سند جس میں ضعف تھا، یہ ذکر کیا ہے کہ ام رومان کی وفات ۶ھ ذی الحجہ میں ہوئی اور امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اس کے رد کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے، تو آپ نے ام رومان کا ذکر ان لوگوں میں جو خلافت عثمانؓ میں وفات پا چکے ہیں، ذکر کرنے کے بعد علی بن یزید سے جو قاسم سے روایت کرتے ہیں یہ نقل کیا ہے کہ ام رومان کی وفات ۶ھ میں حضور ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تو اس پر امام بخاری نے

فرمایا کہ اس میں نظر ہے اور فرمایا کہ مسروق کی حدیث سند کے لحاظ سے زیادہ مضبوط اور اتصال کے لحاظ سے زیادہ واضح ہے۔

تو اب ذرا غور فرماویں کہ اگر امام بخاریؒ کے پیش نظر یہ حدیث نہ تھی تو یہ کیوں فرمایا کہ حدیث مسروق زیادہ قوی ہے، معلوم ہوا کہ یہ حدیث آپ کی نظر میں تھی اور اس کو قوی سمجھ کر اپنی کتاب میں داخل کیا اور پہلی دلیل تو اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ خود امام بخاریؒ نے اس کی تخریج کی ہے۔

ہاں اس سے ہمیں انکار نہیں کہ اس وقت کے بعض طبع شدہ نسخوں میں یہ اضافہ موجود ہے، لیکن اس سے یہ کیا لازم ہوتا ہے کہ بخاری کے شاگرد نے یہ روایت داخل کر دی ہے اور اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو پھر چاہئے تھا کہ سب نسخ بخاری میں یہ اضافہ موجود ہوتا کیونکہ مطبوعہ نسخے سب بخاری کے شاگرد کے زمانہ کے بعد طبع ہوئے ہیں اور اسی نسخہ سے نقل کئے گئے، حالانکہ ہم نے آپ کے سامنے تین چار کتب کے حوالے صفحات کے ساتھ پیش کر دیئے۔

بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا نسخہ بھی نہیں ہے، صرف کاتبینؒ کی غلطی ہے، کیونکہ اگر کوئی دوسرا نسخہ ہوتا یا شارحین علامہ ابن حجر اور بدر الدین العینی کے زمانہ میں اس قسم کے نسخے موجود ہوتے تو وہ اپنی عادت کے مطابق اس پر ضرور کچھ لکھ دیتے، جیسا کہ وہ نسخ مختلفہ کا ذکر اپنی کتب میں کر دیتے ہیں۔

تو مولانا موصوف جیسے شخص کیلئے جس کی نظر میں مختلف قسم کی کتابیں اور مختلف نسخے موجود ہوتے ہیں، اس قسم کی دادِ تحقیق دینا بڑی نازیبا حرکت ہے۔ مندرجہ بالا کتب کو علامہ موصوف خود اُٹھا کر دیکھیں کہ کیا ان میں اس اضافہ کے ساتھ سند موجود ہے یا نہیں، اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاند نے عناد کی وجہ سے یا کاتبین نے غلطی سے اس کو سند

میں ٹھونس دیا اور ایسی غلطیوں کا ہونا کوئی نئی بات نہیں، آج کل کاتبین سے کلام اللہ (قرآنِ مجید) کی کتابت میں زمین و آسمان کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں تو ایک شخص وہ نسخہ قرآن شریف جس میں کوئی غلطی پائی گئی ہو اُٹھا کر یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس میں بعد کے لوگوں نے کمی بیشی کی ہے۔ اس لئے وہ قابلِ اعتبار نہیں (معاذ اللہ) ایسے شخص کو سب پاگل اور بیوقوف سمجھ کر اس کی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ خیر کلام اللہ کی حفاظت کی ذمہ داری تو خود ذاتِ خداوندی نے لی ہے۔ اسی طرح اگر حدیث کی کتابوں میں ردوبدل کی جائے تو ان شاء اللہ ایسے محدثین ضرور موجود ہیں کہ وہ یہ بتا دیں گے کہ حدیث صحیح یہ ہے اور اس کی سند صحیح یہ ہے اور فلاں نسخہ صحیحہ میں ذکر ہے، تو کسی نسخے میں غلطی کا پایا جانا اس کتاب میں کذبِ صریح موجود ہونے کو مستلزم نہیں صحیح نسخوں سے اس غلطی کی تلافی کی جا سکتی ہے۔

کیا امام بخاریؒ اپنی کتاب تکمیل تک نہیں پہنچا سکے ؟

اسی طرح علامہ موصوف نے اپنے اس قول کہ امام بخاری اپنی کتاب تکمیل تک نہیں پہنچا سکے تھے۔ مسودہ ہی چھوڑ کر راہی جنت ہو گئے۔ وہ زمانہ اقبال کا تھا، شیعہ سنی کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا، قدریہ، جبریہ، خارجی سب فرقے ملے جلے تھے، اس لئے ہر کتاب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی تھا۔ خارجیوں کا بھی اور قدریوں اور جبریوں کا بھی"۔ کیلئے سرے سے کوئی دلیل ہی پیش نہیں کی، جس کی مخالفت ہم ظاہر کرتے، لیکن پھر بھی ہم چند اقوال اس بات پر پیش کرتے ہیں کہ مصنفؒ نے اپنی کتاب تکمیل تک پہنچائی۔ اس کے مقابلہ میں اگر کسی مرجوح قول میں یہ ذکر ہو کہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری ص ۵ اور ص ۴۹۱ میں مندرجہ ذیل قول نقل کر رہے ہیں :

و قال ابو جعفر محمود بن عمرو العقیلی لما صنف البخاری کتاب الصحیح

عرضه على احمد بن حنبل و يحيىٰ بن معين و على بن المدينى وغيرهم فاستحسنوه و شهدوا له بالصحة الا فى اربعة احاديث قال العقيلى و القول فيها قول البخارى و هى صحيحة۔

ابوجعفر محمود بن عمرو العقیلیؒ فرماتے ہیں کہ ”جب امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کو تصنیف کیا تو اس کو احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی پر پیش کیا تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی اور چار احادیث کے علاوہ اس کی صحت کی شہادت بھی دے دی۔ امام عقیلی فرماتے ہیں کہ ”ان چار احادیث میں بھی امام بخاری کا قول ہی معتبر ہے یعنی وہ صحیح ہیں“۔

اسی طرح ص ۴۸۸ پر رقمطراز ہیں :

قال محمد بن ابى حاتم الوراق سمعت محمد بن اسمٰعيل يقول لو نشر بعض استارى هؤلاء لم يفهموا كيف صنفت البخارى ولا عرفوه ثم قال صنفته ثلاث مرات۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر ان لوگوں پر حقیقت کھل جائے کہ میں نے بخاری کس طرح تالیف کی تو متحیّر ہو کر رہ جائیں، پھر فرمایا کہ میں نے صحیح بخاری کو تین مرتبہ تصنیف و تالیف کی شکل دی۔

پھر فرماتے ہیں :

قال وراق قلت له تحفظ جميع ما ادخلت فى مصنفاتك فقال لا يخفى علىّ جميع ما فيها و صنفت جميع كتبى ثلاث مرات۔

محمد بن ابی حاتم وراق فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ سے میں نے عرض کیا کہ وہ چیز جو آپ نے اپنی تصنیفات میں داخل کی ہیں، وہ آپ کو یاد ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں میں کوئی چیز مجھ پر مخفی نہیں، پھر فرمایا کہ میں نے ہر کتاب کو تین مرتبہ تصنیف کیا ہے۔

اسی طرح علامہ کوثریؒ نے شروط الائمۃ کے مقدمہ ص ۵ پر لکھا ہے :

ولد ببخاریٰ سنۃ اربع و تسعین و مائۃ وارتحل لطلب الحدیث و تنقل فی البلاد و ابتداء تراجم ابواب الجامع الصحیح بالحرم الشریف و لبث فی تصنیفہ ست عشرۃ سنۃ بالبصرۃ وغیرھا حتی اتمّہٗ ببخاریٰ و مات بخرتنک قرب سمرقند سنۃ ست و خمسین و مأتین۔

علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی اور آپ نے حدیث کے طلب کرنے میں بہت سے شہروں کے سفر کئے اور آپ نے اپنی کتاب کے تراجم کی ابتداء حرم شریف میں کی اور صحیح بخاری کی تصنیف کے دوران سولہ سال تک آپ مختلف شہروں یعنی بصرہ وغیرہ میں رہے، یہاں تک کہ اس کو شہر بخاریٰ میں ختم کر دیا اور آپ کی وفات ۲۵۶ھ میں خرتنک میں ہوئی جو سمرقند کے قریب ہے۔

کیا مذکورہ بالا دلائل سے واضح طور پر ثابت نہیں ہو رہا کہ مصنفؒ اپنی زندگی میں اس کی تالیف و تکمیل سے فارغ ہو چکے تھے، نہ صرف یہ بلکہ آپ نے تو بخاری شریف سمیت اپنی ہر تصنیف کی دو تین مرتبہ نظر ثانی اور تصحیح کی ہے، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ کتاب ختم تو نہ ہو اور بڑے بڑے ائمہ کی خدمت میں اس کو تصدیق کیلئے پیش کر دیا جاتا اور وہ اس پر مہر تصدیق و تصویب بھی ثبت فرما دیں۔

مرجوح روایت کی حقیقت :

باقی اس بارہ میں وہ مرجوح روایت جس سے تمنا عمادی اثبات مدعیٰ کر سکتے ہیں، نقل کرنے کے بعد ہم اس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ ابو الولید الباجیؒ ابو اسحٰق المستملی سے نقل کرتے ہیں کہ :

انتسخت البخاریَ من اصلہ الذی کان عند صاحبہ محمد بن یوسف الفربری

فرائیت فیه اشیاء لم تتم و اشیاء مبیضة و منها تراجم لم یثبت بعلها شیأ ...... الخ۔

ابواسحٰق المستملی فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح بخاری کو نقل کیا۔ اس اصل سے جو امام بخاریؒ کے شاگرد محمد بن یوسف فربری کے ساتھ موجود تھا۔ تو میں نے اس میں بعض ایسی چیزیں دیکھیں جو پوری نہ تھیں اور بعض ایسے تراجم تھے جن کا ذکر نہ تھا۔

تو اس کا جواب ملا چلپیؒ نے کشف الظنون ص ۳۶۳ پر دیا ہے، بحث اس نے طویل کی ہے۔ یہ اس کا اقتباس ہے، فرماتے ہیں :

و فی قول الباجی نظر من حیث ان الکتاب قرئی علی مؤلفه و لاریب انه لم یقرء علیه الامر تبا مبوبا فالعبرة بالروایة ' الخ۔

یعنی ابوالولید الباجی کے قول میں نظر ہے (یعنی صحیح معلوم نہیں ہوتا) اس لئے کہ کتاب جامع صحیح مصنفؒ پر بار بار پڑھی گئی اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ کتاب نہیں پڑھی جاتی، مگر مبوب اور مرتب (یعنی جب ترتیب کتاب نہ ہو تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مصنف پر کتاب پڑھی گئی) تو لامحالہ اعتبار روایت ہی کا ہوگا۔

اور علامہ ابن حجرؒ نے بھی مقدمہ فتح الباری ص ۱۲ میں اس طرف اشارہ کر دیا، فرماتے ہیں :

وربما اکتفی بلفظ الترجمة الّتی هی لفظ حدیث لم یصح علی شرطه و اورد معها اثرا او آیة فکانه یقول لم یصح فی الباب شئی علی شرطی وللغفلة عن هذه المقاصد الدقیقة اعتقد من لم یمعن النظر انه ترک الکتاب بلاتبیض۔

یعنی امام بخاریؒ بعض وقت ایسے ترجمۃ الباب پر اکتفا کرتے ہیں جو الفاظِ حدیث ہوتے ہیں، لیکن وہ حدیث آپ کی شرط پر نہیں ہوتی اور پھر اس کے ساتھ کوئی اثر یا آیت قرآن ذکر کرتے ہیں، گویا ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس باب میں میری شرط پر کوئی حدیث

نہیں لیکن ان دقیق اور باریک مقاصد سے غفلت کی وجہ سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپؒ نے کتاب کو تمام کرنے سے پہلے چھوڑ دیا تھا۔

تو معلوم ہوا کہ مصنفؒ نے کتاب کو ضرور پورا کیا تھا اور شاگردوں نے آپ کو بار بار سنائی لیکن بعض دقیق مقاصد کی وجہ سے جب مصنفؒ نے اغلاق وابہام وغیرہ سے کام لیا تو اس نے بعض لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر دئے کہ آپؒ کتاب کو ختم کرنے سے پہلے راہی جنت ہو گئے۔

کیا ابوعبداللہ الحاکم صاحب مستدرک شیعہ تھے ؟

تمنا عمادی نے اپنی "تحقیقاتِ علمی" کے دوران یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابوعبداللہ الحاکم مستدرک کا ترجمہ لسان المیزان میں دیکھ لیجئے، یہ شیعہ تھے، مگر خلفاءِ ثلاثہ کے مناقب کی حدیثیں بھی روایت کرتے تھے"۔ (فکر ونظر ص ۱۷۱)

سو اس کا جواب یہ ہے کہ مقالہ نگار خود تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ خلفاءِ ثلاثہ کی حدیثیں بھی روایت کرتے تھے، تو معلوم ہوا کہ آپ شیعت میں غالی نہ تھے اور اس کی مزید تائید ابوبکر خطیب کے قول سے ہوتی ہے، جس کو علامہ شمس الدین الذہبی ۷۴۸ھ نے تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۳۰ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں :

قال الخطیب ابوبکر ابوعبد اللہ الحاکم کان ثقة یمیل الی التشیع۔

ابوبکر خطیبؒ فرماتے ہیں کہ حاکم ثقہ تھے، البتہ اس میں کچھ شیعیت کو میلان تھا۔

یہاں تک کہ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم کے شروع میں ڈاکٹر سید معظم حسین مصنف کا ترجمہ لکھتے ہوئے حاشیہ ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ مصنف کے حالات اور ترجمہ کے مآخذ مندرجہ ذیل کتب ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۲۸ وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱ ص ۴۸۴ طبقات

لابن السبکی جلد۳ص۶۴،۱۷،لسان المیزان جلد۵ص۲۳۳۔

پھر حاکم کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں :

تمسک الذهبی و ابن السبکی برأی ابی بکر الخطیب اذ هو ثقة ضابط لکن لا یدل ذلک قطعا علی میلانه الی التشیع و تقدیمه علیا علی الشیخین بل یستبعد تفضیله لعلیّ علی عثمان رضی اللّٰه عنهما اذله معارض اقویٰ لایقدر علی دفعه فانه عقد بابا فی کتاب الاربعین لتفضیل ابی بکر و عمر و عثمان رضی اللّٰه عنهم و اختصهم من بین الصحابة و قلم فی المستدرک عثمان رضی اللّٰه عنه۔

امام ذہبیؒ اور ابن السبکی نے ابوبکر خطیب کی رائے سے استدلال کیا ہے، اس لئے کہ وہ ثقہ ہیں، لیکن یہ بات حاکم کے شیعی ہونے اور حضرت علیؓ کو شیخین پر ترجیح دینے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی، بلکہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دینا آپ سے ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا قوی معارض موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے کتاب الاربعین میں خلفاءِ ثلاثہ کی فضیلت پر مستقل باب قائم کیا اور ان کو سب صحابہؓ میں سے مختص کردیا۔اسی طرح مستدرک میں آپ نے حضرت عثمانؓ کو (حضرت علیؓ) پر مقدم کیا ہے۔

اس کے بعد پھر نقل کرتے ہیں :

فمن یخرج مثل هٰذه الاحادیث التی تکاد تکون نصا فی خلافة الثلاثة و تفضیلهم و افضلیة عثمان هل یظن به التشیع و الرفض۔

جو شخص ایسی حدیثیں اپنی کتابوں میں ذکر کرے جو تقریباً تقریباً خلفاءِ ثلاثہ کی خلافت اور ان کی فضیلت میں نص صریح ہوں اور ایسی حدیثیں جن سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہو، کیا ایسے شخص پر شیعی اور رافضی ہونے کا گمان کیا جاسکتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں :

اذا نظرنا فی هذا الرجل کما قال السبکی وجدنا انه محدث ثقة لایختلف فی ذلک و هذا العقیدة تبعد عن المحدثین فان التشیع فیهم نادر ثم اذا نظر نافی مشائخه الذین اخذ عنهم العلم وجدناهم من کبائر اهل السنة و متصلین فی عقیدة ابی الحسن الاشعری الی قوله ثم نری الحافظ الثبت ابالقاسم بن عساکر اثبته فی عداد الاشعریین الذین یستبعدون اهل التشیع و یبرؤن الی اللّٰہ عنهم ۔

جب ہم حاکم کے بارے میں نظر کرتے ہیں، جیسا کہ امام سبکی نے فرمایا تو ہم اس کے ثقہ محدث ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پاتے اور شیعیت وغیرہ کا عقیدہ محدثین سے بہت نادر اور بعید ہے، پھر جب ہم آپ کے مشائخ وغیرہ میں نظر کرتے ہیں تو ان کو اہل سنۃ اور ابوالحسن الاشعری کے عقیدہ کے مطابق پاتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل سنۃ میں سے ہیں، اس کے بعد ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ابن عساکر نے آپ کو اشعریّین میں شمار کیا ہے اور اشعریّین تو شیعوں سے دور بھاگتے ہیں۔

تو کیا مذکورہ دلائل سے یہ صاف ظاہر نہیں ہو رہا کہ آپ شیعہ نہ تھے اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ شیعہ تھے تو نفس شیعیت کوئی جرح (اس کی بحث بعد میں آئے گی) نہیں جس وقت تک اس میں تعصب اور غلو نہ ہو، مقالہ نگار خود تسلیم کر چکے ہیں کہ آپ نے خلفاءِ ثلاثہ کے فضائل نقل کئے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض وہ شیعہ بھی تھے تو شیعیت میں غالی نہ تھے اور ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک نفس شیعیت کوئی جرح نہیں، یہ اگر مولانا موصوف جیسے ''محدث'' کے نزدیک جرح ہو تو اور بات ہے۔

اس کے علاوہ علامہ ابن حجرؒ نے جہاں لسان المیز ان میں آپ کو شیعہ تسلیم کیا ہے، وہاں ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ :

فاما صدقه فی نفسه فامر مجمع علیه و الحاکم اجل قدراً و اعظم

خطرا و اکبر من ان یذکر فی الضعفاء ۔(لسان المیزان ج۵ص۲۳۳)

حاکم کا فی نفسہٖ ثقہ ہونا یہ ایک متفق علیہ امر ہے اور امام حاکم بڑی قدر و شان والے ہیں، اس بات سے کہ آپ کا ذکر ضعفاء لوگوں میں کیا جاوے۔

حدیث سیّدا شباب اہل الجنۃ کے بارہ میں عمادی کی تلبیس :

علامہ موصوف نے حاکم کو شیعی بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمادیا کہ ''اہل سنت تو کسی سے عناد نہیں رکھتے، اس لئے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنینؓ کے مناقب میں جو حدیثیں شیعوں نے پیش کیں، بسرو چشم قبول کرلیں، مثلاً **الحسن والحسین سیدا اشباب اهل الجنة** خالص شیعوں کی حدیث ہے۔اس کے راوی یزید بن ابی زیاد الکوفی ہیں ان کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہیں کی، ان سے کئی شخص روایت کرتے ہیں، تہذیب التہذیب میں لکھا ہے، کان من ائمۃ الشیعۃ الکبار، مگر ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے، اس تصریح کے ساتھ کہ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد ہی کی وجہ سے ہم جانتے ہیں''۔

(فکرونظر ص ۱۷۱)

اس سے پہلے کہ یزید بن ابی زیاد کا ثقہ ہونا ثابت کریں، یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ حدیث خالص شیعوں کی کیسے ہے، ناظرین کرام اور اہلِ علم حضرات سے خصوصی گذارش ہے کہ ترمذی ج ۲ ص ۲۲۰ پر اس حدیث کا معائنہ کرلیں کہ اس کی سند میں کون سے رواۃ ہیں تاکہ محقق موصوف کی تلبیس اور بے انصافی واضح ہوسکے۔ چنانچہ حدیث مع سند کے مندرجہ ذیل ہے :

حدثنا محمود بن غیلان نا ابوداؤد الحضری عن سفیان عن یزید بن ابی زیاد عن ابی نعم عُن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة۔

امام ترمذیؒ بسند متصل ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔

مذکورہ بالا روایت امام ترمذیؒ چھ رواۃ کے واسطہ سے حضور ﷺ سے نقل کر رہے ہیں اور یزید بن ابی زیاد کے علاوہ سب رواۃ کو تہذیب التہذیب میں دیکھ لیا جاوے، کسی ایک پر بھی شیعیت کی جرح نہیں ہے، بلکہ اکثر صحیحین کے رواۃ ہیں۔ چنانچہ محمود بن غیلان کا ترجمہ ج ۱۰ ص ۶۴ اور ابوداؤد الحضری کا ترجمہ ج ۷ ص ۴۵۲ اور سفیان کا ترجمہ ج ۴ ص ۱۱۳ اور ابن ابی نعم ج ۶ ص ۲۸۶ پر ملاحظہ فرماویں۔ ان رواۃ کے ثقہ ہونے کی وجہ سے تو امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا۔

تو سب سے پہلے علامہ موصوف کی یہ بات درست نہیں کہ یہ حدیث خالص شیعوں کی ہے، کیونکہ یزید بن ابی زیاد کے علاوہ کسی پر شیعیت کی جرح نہیں ہے۔

پھر محقق موصوف کا یہ کہنا کہ ''ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے، اس تصریح کے ساتھ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ہم جانتے ہیں، امام ترمذی پر خالص بہتان اور افتراء ہے کیونکہ امام ترمذی نے یزید بن ابی زیاد کی روایت کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ہم جانتے ہیں، بلکہ اس کے برعکس امام ترمذی نے اس روایت کو **ھذا حدیث حسن صحیح** سے تعبیر کیا ہے۔

البتہ امام ترمذیؒ نے ایک دوسری روایت جو تفصیل کے ساتھ ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱ میں ذکر ہے اور اس کے متن میں سید اشباب اہل الجنۃ ہے اور وہ بواسطہ اسرائیل کے حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے۔ اس کے متعلق امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ **ھذا حدیث لانعرفہ الا من حدیث اسرائیل** (کہ یہ حدیث غریب ہے، اس حدیث کو اسرائیل کی سند ہی سے ہم

جانتے ہیں)

شاید محقق موصوف نے اصل کتاب دیکھی نہیں اور حافظہ سے یہ بات لکھ دی ہے۔ اس لئے ان کو یہ غلطی لاحق ہوگئی کہ جو امام ترمذیؒ کی اسرائیل کی روایت کے متعلق کہی گئی بات تھی۔ مولانا نے یزید بن ابی زیاد کی روایت پر چسپاں کر دی۔ اسی طرح مولانا کا یہ کہنا کہ "اس کے راوی یزید بن ابی زیاد الکوفی ہیں، ان کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہیں کی، ان سے کئی شخص روایت کرتے ہیں"۔ ایک حد تک صحیح نہیں کیونکہ اسرائیل کی روایت بواسطہ حذیفہؓ میں یزید بن ابی زیاد راوی بالکل نہیں اور اس کے متن میں یہ جملہ ذکر ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ ص ۱۲ میں یہ روایت دوسری سند سے مذکور ہے جو یہ ہے:

حدثنا محمد بن موسیٰ الواسطی ثنا المعلی بن عبد الرحمن ثنا ابن ابی ذئب عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ و ابوھما خیر منھما۔

امام ابن ماجہ بسند متصل ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور ان کے باپ (حضرت علیؓ) ان سے بہتر ہیں۔

کاش! علامہ موصوف اصل کتاب کے مطالعہ اور مراجعت کی بعد اپنی جرح و تنقید کے شوق کو پورا فرماتے .... ؎

کمال است در نفس انسان سخن
تو خود را بگفتار ناقص مکن!

یزید بن ابی زیاد کی تعدیل:

اس کے بعد علامہ موصوف کا یہ فرمانا کہ "یزید بن ابی زیاد کے متعلق تہذیب

التہذیب میں یہ لکھا ہے کہ کان من ائمة الشیعة الکبار"۔

اس سے ہم انکار نہیں کرتے، لیکن یہ سوچنا ضروری ہے کہ کیا آپ کے ترجمہ میں اس کے سوا بھی کچھ ذکر ہے یا نہیں، جہاں یہ ذکر ہے، انہی اوراق میں آپ کے متعلق مندرجہ ذیل اقوال بھی موجود ہیں :

قال عثمان بن ابی شیبة عن جریر کان احسن حفظا من عطاء ۔

(تہذیب ج ۱۱ص ۳۳۰)

عثمان بن ابی شیبہ جریر سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ یزید بن ابی زیاد حافظہ کے لحاظ سے عطاء سے زیادہ اچھے ہیں۔

پھر ج ۱۱ص ۳۳۱ پر فرماتے ہیں :

و قال یعقوب بن سفیان و یزید و ان کانوا یتکلمون فیه لتغیره فهو علی العدالة و ان لم یکن مثل الحکم و منصور ۔

یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں کہ یزید بن ابی زیاد میں اگرچہ لوگ اس کے تغیر ہونے کی وجہ سے اس میں گفتگو کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عادل ہیں، اگرچہ اس کا درجہ امام حکم بن عتیبہ اور منصور کو نہیں پہنچتا۔

پھر فرماتے ہیں :

وقال ابن شاهین فی الثقات قال احمد بن صالح المصری یزید بن ابی زیاد ثقة ولایعجبنی قول من تکلم فیه ۔

ابن شاہین نے اپنی کتاب الثقات میں فرمایا کہ احمد بن صالح مصری فرماتے ہیں کہ یزید بن ابی زیاد ثقہ ہیں اور جو لوگ اس میں کلام کرتے ہیں، ان کا قول مجھے کچھ تعجب میں نہیں ڈالتا۔

الغرض جب یزید بن ابی زیاد میں اتنی صفات بھی موجود ہیں تو مولانا موصوف کو چاہئے تھا کہ وہ اس راوی کے متعلق ائمہ کے ان اقوال کو بھی نقل کرتے اور پھر نتیجہ اخذ کرتے تو اس کے متعلق صرف جرح کا قول نقل کر کے تعدیل کے اقوال کو چھوڑ دینا قواعد جرح و تعدیل کی رو سے ہرگز ٹھیک نہیں اور تعصب باطن کا بین ثبوت ہے، مولانا عبدالحئ اللکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ اپنی کتاب الرفع والتکمیل کے ص ۱۱ پر لکھتے ہیں :

و انما جوزت للضرورة الشرعية حكموا بانه لايجوز الجرح بما فوق الحاجة ولا الاكتفاء على نقل الجرح فقط فيمن وجد فيه الجرح والتعديل كلاهما من النقاد ولا يجرح من لايحتاج الى جرحه۔

یعنی جرح اور تعدیل کا جواز ضرورتِ شرعی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے ائمہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ جرح یا صرف جرح کا نقل کرنا اس شخص کے حق میں جس میں جرح و تعدیل دونوں موجود ہیں، جائز نہیں اور اسی طرح جو شخص جرح کا محتاج نہیں اس کو مجروح کرنا جائز نہیں۔ (مثلاً وہ راوی نہ ہو)

اسی طرح یزید بن ابی زیاد کے ثقہ ہونے کی مزید تائید علامہ محمد محفوظ بن عبداللہ الترمسی کی کتاب ''منہج ذوی النظر'' کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے اور یہی مضمون علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے مختصر الفاظ میں تدریب الراوی ص ۵۲۱ پر بیان کیا ہے۔ منہج ذوی النظر کی عبارت یہ ہے :

وقال ابو الفتح تعرف الثقة بالتنصيص عليه من راو او ذكر فى كتاب مؤلف ركن (اى علم بانه) افرد الثقات اى لبيان ثقات الرواة ككتاب الثقات لابن حبان والعجلى و ابن شاهين و غيرهم او بتخريج ملتزم الصحة فى التخريج له كالبخارى و مسلم فى صحيحهما و ان تكلم فى بعض من خرجا له فلا يلتفت اليه و كذا من خرج

علی کتابیھما کابن خزیمة و نظائرہ . (منھج ذوی النظر ص ۲۸۷)

ابوالفتحؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ثقہ ہونے کی علامت کسی راوی کا اس کے ثقہ ہونے پر تصریح کرنا یا اس کا ذکر ایسی کتاب میں ہو جس میں صرف ثقات کا ذکر ہو، جیسے کتاب الثقات ابن حبان یا عجلی یا ابن شاہین وغیرھم اور یا اس راوی سے ایسے لوگ تخریج کریں جنہوں نے اپنے اوپر ثقہ راوی سے روایت کرنا لازم کیا ہے، جیسے امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں اگرچہ ان دونوں کتابوں کے بعض رواۃ پر کلام ہوا ہے، لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں کی جائے گی یا پھر اس راوی کا ذکر ایسی کتاب میں ہو جس نے صحیحین پر استخراج کیا ہو، جیسے ابن خزیمة وغیرہ۔

مذکورہ بالا عبارت سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ جس راوی کا ذکر صحیحین یا ثقات ابن شاہین وغیرہ میں ہو تو وہ راوی ثقہ ہیں، تو یزید بن ابی زیاد صحیح مسلم کا راوی ہے، بلکہ تعلیق بخاری کا ہے، اور ابن شاہین نے آپ کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، جیسے پہلے تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۳۱ کی عبارت نقل کر چکے ہیں۔

ساتھ ہی منھج ذوی النظر کی یہ عبارت کہ "و ان تکلم فی بعض من خرجا له فلایلتفت الیه" اس کی صاف دلیل ہے کہ اس معمولی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر یزید بن ابی زیاد کا ثقہ معلوم کرنا ہو تو مسلم ص ۴ پر تفصیل ملاحظہ فرماویں۔ اس میں سے مختصر اقتباس پیشِ نظر ہے۔ امام مسلمؒ بہت سے ثقہ رواۃ کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

فاذا نحن تقصینا اخبار ھذا الصنف من الناس اتبعناھا اخبارا یقع فی اسانیدھا بعض من لیس بالموصوف بالحفظ و الاتقان کالصنف المقدم قبلھم علی انھم و ان کانوا فیما وصفنا دونھم فان اسم الستر و الصدق و تعاطی العلم یشملھم کعطاء بن ابی

السائب و یزید بن ابی زیاد ولیث بن ابی سلیم واضرابھم من حمال الآثار و نقال الاخبار الی قولہ الا تری انک اذا و ازت ھولاء الثلاثة الذین سمینھم عطاء و یزید و لیث بمنصور بن المعتمر و سلیمن الاعمش و اسمٰعیل بن ابی خالدفی اتقان الحدیث و الاستقامة فیہ وجدتھم مبائنین لھم لایدانونھم ۔

امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم اس اعلیٰ قسم کے لوگوں کی تتبع سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد ایسے احادیث لائے جن کی سند میں ایسے لوگ ہیں جو پہلے قسم کے طبقے کے حفظ اور اتقان کے درجہ کو نہیں پہنچے تھے، لیکن اس کے باوجود کہ وہ مرتبہ میں قسم اوّل کے مرتبہ سے کم ہیں، لیکن عدالت اور صداقت اور اہل علم ہونے کا وصف ان کو ضرور شامل ہے، جیسے عطاء بن ابی السائب اور یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم اور دوسرے لوگ اس درجہ کے احادیث نقل کرنے والے کیا یہ بات آپ کو معلوم نہیں کہ جب تین شخصوں یعنی عطاء، یزید اور لیث کا مقابلہ اتقان اور تثبتِ حدیث میں منصور بن المعتمر، سلیمٰن الاعمش اور اسمٰعیل بن ابی خالد کے ساتھ کریں تو آپ پہلے تین شخصوں کے مقابلہ میں ان کو کم پائیں گے اور ان کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۱۶ پر فرماتے ہیں:

والمراد بالستر انہ لیس فیھم ما ینافی العدالة والمروّة فیما یبدوا للناس ۔

اور ستر سے مراد یہ ہے کہ ان میں ایسے چیزیں نہ ہوں جو عوام کی نظر میں عدالت اور مروّت کے خلاف ہوں۔

مذکورہ بالا مسلم کی عبارت پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یزید بن ابی زیاد فی نفسہ عادل اور ثقہ ہے۔ البتہ منصور بن المعتمر کے درجہ کا ثقہ نہیں ہے اور اس سے ہم بھی انکار نہیں کرتے اور اس کا ذکر یعقوب بن سفیان نے اس جملہ میں کر دیا کہ :

''یزید و ان کانوا یتکلمون فیه لتغیره فهو علی العدالة و ان لم یکن مثل الحکم و منصور۔ (تہذیب ج۱۱ص۳۳۱)

مولانا موصوف نے یہ فرمایا تھا کہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے ''کان من ائمة الشیعة الکبار''۔ افسوس کہ مولانا نے اس قول کے قائل کا نام ذکر بھی نہیں کیا۔ تہذیب التہذیب ج۱۱ص۳۲۹ میں یہ قول اس طرح نقل ہے، و قال علی بن المنذر عن ابن فضیل کان من ائمة الشیعة الکبار ۔

محمد بن فضیل کون تھے ؟

تو معلوم ہوا کہ قائل محمد بن فضیل ہیں ۔ اب خود اس کا ترجمہ مختصر طور سے حسبِ ذیل ہے۔

قال حرب عن احمد کان یتشیع و کان حسن الحدیث۔ (تہذیب ج۹ص۴۰۵)

حرب امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ محمد بن فضیل میں شیعیت تھی، البتہ اس کی حدیث اچھی ہے۔

وقال ابن سعد کان ثقة صدوقا کثیر الحدیث متشیعا و بعضهم لایحتج به وقال العجلی کوفی ثقة شیعی۔ (تہذیب ج۹ص۴۰۶)

ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ صدوق اور کثیر الحدیث تھے، لیکن شیعی تھے اور بعض لوگ اس کو قابل حجۃ شمار کرتے ہیں، امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ ہیں لیکن شیعہ تھے۔

....

محمد بن فضیل کے ثقہ ہونے میں ہمیں کسی قسم کا شک نہیں، لیکن جب وہ خود شیعیت کے الزام میں متہم ہیں تو آپ کا قول اُصول جرح و تعدیل کے رو سے یزید بن ابی

زیاد کے حق میں مقبول نہیں ہے۔ مولانا عبدالحئ الکھنوی نے اپنی کتاب **الرفع والتکمیل** کے ص ۱۸ پر لکھا ہے :

ولا یحل لک ان تاخذ بقول کل جارح فی ای راو کان و ان کان ذلک الجارح من الائمة او من مشهوری علماء الامة فکثیر اما یوجد امر یکون مانعا من قبول جرحه وحنیئذ یحکم برد جرحه وله صورٌ کثیرة لا تخفی علی مهرة کتب الشریعة فمنها ان یکون الجارح فی نفسه مجروحا فح لایبادر الی قبول جرحه و کذا تعدیله مالم یوافقه غیره . (الرفع والتکمیل ص ۱۸)

اور آپ کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ آپ ہر جارح کے قول کو ہر راوی کے حق میں صحیح سمجھیں اگرچہ وہ جارح مشہور علماء میں سے کیوں نہ ہو، اس لئے کہ بہت سے ایسے عوارضات ہوں گے جس کی وجہ سے اس کی جرح بھی مقبول نہ ہوگی اور اس وقت اس کی جرح کو رد کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کی مختلف صورتیں ہیں جو اہلِ فن پر مخفی نہیں ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جارح فی نفسہ مجروح ہو تو اس وقت اگر دوسرے ائمہ کی طرف سے جرح نہ ہو تو نہ اس کی جرح کا اعتبار ہے اور نہ تعدیل کا۔

اس کے علاوہ ص ۱۶ پر جارح اور معدّل کی شروط مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ :

یشترط فی الجارح و المعدل العلم والتقویٰ والورع والصدق والتجنب عن التعصب و معرفة اسباب الجرح والتزکیة ومن لیس کذلک لایقبل منه الجرح ولا اللتزکیة ۔

جارح اور معدل کیلئے (۱) علم (۲) تقویٰ (۳) سچائی (۴) پرہیزگاری (۵) عصبیت سے خالی ہونا اور (۶) جرح وتعدیل کے اسبابَ جاننا ضروری ہے اور جس شخص

میں یہ صفات موجود نہ ہوں نہ اس کی جرح اور نہ اس کا تزکیہ مقبول ہے۔

تو ان دلائل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کیا محمد بن فضیل میں یہ سب شروط موجود ہیں بلکہ کسی نے بھی آپ کو ائمہ جرح وتعدیل میں نہیں لکھا ہے۔اس لئے آپ کا قول یزید بن ابی زیاد پر حجۃ نہیں ہے۔

محقق موصوف نے اپنی عادت جاری رکھتے ہوئے سنن کے رواۃ کے علاوہ صحیح بخاری کے راویوں کی طرف بھی ہاتھ بڑھایا۔فرماتے ہیں :

''ابواسحٰق السبیعی، سلیمان الاعمش، منصور بن المعتمر وغیرہم کوفے کے سرخیل محدثین تھے۔صحاحِ ستہ کی ہر کتاب ان کی حدیثوں سے بھری پڑی ہیں اور یہ سب شیعہ تھے''۔(ماہنامہ فکر ونظر ص ۱۷۲)

صحیح بخاری کے راویوں کا درجہ :

اس سے پہلے کہ ہم ان بڑے ائمہ کرام کا ثقہ ہونا ثابت کریں یہ بات ضروری ہے کہ بخاری کے رواۃ کا درجہ بیان کردیں۔چنانچہ علامہ ابن حجرؒ صحیح بخاری کی ترجیح اجمالاً نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

و اما من حیث التفصیل فقد ترانا ان مدار الحدیث الصحیح علی الاتصال و اتقان الرجال و علم العلل و عند التامل یظھر ان کتاب البخاری اتقن رجالاً و اشد اتصالاً۔(مقدمہ فتح الباری ص ۹)

بخاری شریف کی فضیلت تفصیلاً یہ ہے کہ ہم یہ ثابت کرچکے کہ حدیث صحیح کا دارومدار اتصالِ سند اور اتقان رجال پر ہے۔(یعنی اس کے رجال ثقات ہوں اور ان میں کسی قسم کی جرح نہ ہو) اور غور کرنے کے بعد یہ خود بخود معلوم ہوجاتا ہے کہ صحیح بخاری اتقان رجال اور اتصال سند میں سب سے ارجح ہے۔

اس کے علاوہ طاہر بن صالح الجزائری المتوفی ۱۳۳۸ھ اپنی کتاب توجیہ النظر کے ص ۱۰۰ پر رقمطراز ہیں :

و قد كان ابوالحسن المقلسى يقول فى الذى خرج عنه فى الصحيح هذا جاز القنطرة يعنى بذلك انه لايلتفت الى ماقيل فيه۔

ابوالحسن المقدسیؒ فرماتے تھے کہ جس شخص سے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے، وہ پل سے گذر گیا (یعنی مقصود کو پہنچ گیا) اس کے بعد اس میں کسی کی جرح کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اسی صفحہ پر لکھتے ہیں :

و قبل الخوض فيه ينبغى لكل منصف ان يعلم ان تخريج صاحب الصحيح لاى راو كان مقتض لعدالته عنده و صحة ضبطه و علم غفلته ۔

اور اس بحث میں مشغول ہونے سے پہلے ہر منصف مزاج کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ بخاری کا ہر راوی سے روایت کرنا اس راوی کی عدالت اور اس کی عدم غفلت کا مقتضی ہے۔

بخاری شریف کے رجال کے متعلق ائمہ کے یہ اقوال غور سے پڑھنے کے بعد اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ بخاری شریف کی صحت میں کلام کیا جائے لیکن مقالہ نگار نے چند ایک نام ذکر کرکے ان پر معمولی جرح کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان ائمہ کا حال بیان کر دیں اور بات صاف ہو جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے ابو اسحٰق سبیعی کا ترجمہ تہذیب التہذیب سے نقل کرتے ہیں :

ابو اسحٰق السبیعی :

قال عبد الله بن احمد قلت لابى ايما احب اليک ابو اسحق او السدى فقال

ابو اسحق ثقة ۔ (تہذیب ج۸ص۶۴)

عبداللہ بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (امام احمدؒ) سے کہا کہ ابواسحٰق سبیعی اور سدی ان دونوں میں آپ کوکون زیادہ محبوب ہے تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ ابواسحٰق ثقہ ہیں۔

پھر فرماتے ہیں :

وقال ابن معین والنسائی ثقة و قال العجلی کوفی تابعی ثقة۔

یحییٰ بن معین اور نسائی فرماتے ہیں کہ ابواسحٰق سبیعی ثقہ ہیں۔ امام عجلی فرماتے ہیں کہ ابواسحٰق کوفہ کے رہنے والے تابعی اور ثقہ ہیں۔

وقال ابو حاتم ثقة هو احفظ من ابی اسحٰق الشیبانی و شبه الزهری فی کثرة الروایة و اتساعه فی الرجال۔ (تہذیب ج۸ص۶۵)

امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ وہ ایسے ثقہ ہیں کہ ابواسحٰق شیبانی سے بھی زیادہ حافظ ہیں اور کثرتِ حدیث میں امام زہریؒ کے مشابہ ہیں۔

وقال ابن المدینی احصینا مشیخته نحوا من ثلاث مائة شیخ و قال مرة اربع مائة و قد روی عن سبعین او ثمانین لم یرو عنهم غیره ۔

(تہذیب ج۸ص۶۴)

علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کے شیوخ کی تعداد تقریباً تین سو اور بعض وقت کہتے کہ چار سو (۴۰۰) تک شمار کی ہے اور آپؒ نے ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) ایسے شیوخ سے روایت کی جن سے اور کسی نے روایت نہیں کی۔

مذکورہ مشہور ائمہ کی توثیق کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کے باوجود علامہ موصوف نے ان پر شیعہ کا حکم چسپاں کر دیا اور یہ واضح نہیں کیا کہ آپ کو شیعہ کہنے والے

حضرات کون ہیں۔ افسوس کہ مولانا کچھ انصاف سے کام لیتے اور تہذیب کی عبارت نقل کر دیتے تاکہ اس سے معلوم ہو جاتا کہ آپ کو شیعہ کس نے کہا ہے اور کیا اس کا قول آپ پر حجت ہے یا نہیں ...... خیر اگر آپ سے یہ رہ گیا تو ہم اس کو مکمل طور پر نقل کر دیں گے۔

تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶۶ پر علامہ ابن حجرؒ نقل فرماتے ہیں :

و قال ابو اسحق الجوزجانی کان من اہل الکوفۃ لاتحمد مذاہبہم یعنی التشیع ہم رؤس محدثی الکوفۃ مثل ابی اسحق والاعمش و منصور و زبید وغیرہم۔

ابواسحٰق جوزجانیؒ فرماتے ہیں کہ کوفے کی ایک قوم جن کے مذاہب یعنی شیعیت کی تعریف نہیں کی جاسکتی اور وہ کوفے کے محدثین کے سردار تھے جیسے ابواسحٰق، اعمش، منصور اور زبید وغیرہم۔

جوزجانی کا قول حجۃ نہیں :

تو اب معلوم ہوا کہ علامہ موصوف کا شیعہ کا حکم لگانے کا دارومدار امام جوزجانی پر ہے اب جوزجانی کون تھے؟ اس کے لئے تہذیب التہذیب ج اص ۱۸۲ پر علامہ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ :

و قال ابن عدی کان شدید المیل الی مذہب دمشق فی المیل علی علیّ رضی اللہ عنہ۔

ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ آپ حضرت علیؓ کے خلاف اہلِ دمشق کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے۔

پھر فرماتے ہیں :

و قال السلمیِ عن الدار قطنی بعد ان ذکر توثیقہ لکن فیہ انحراف عن علیّ اجتمع علی بابہ اصحاب الحدیث فاخرجت جاریۃ لہ فروجۃ لتذبحہا فلم تجد من

يذبحها فقال سبحان الله فروجة لايوجد من يذبحها و عليّ يذبح فى ضحوة نيفا و عشرين الف مسلم قلت و كتابه فى الضعفاء يوضح مقالته ورأيت فى نسخة من كتاب ابن حبان حريزى المذهب۔

امام سلمی دارقطنی سے نقل کررہے ہیں کہ آپ نے جوزجانی کی توثیق کرنے کے بعد فرمایا لیکن وہ حضرت علی سے انحراف کرنے والے تھے۔آپ کے پاس محدثین آئے تو آپ کی کنیز مرغی کا بچہ باہر ذبح کرنے کے لئے لے گئی تو اس کو کوئی ذبح کرنے والا شخص نہیں ملا، تو جوزجانی نے تعجب سے سبحان اللہ کہتے ہوئے کہا کہ ایک مرغی کے بچہ کو ذبح کرنے والا نہیں ملتا اور حضرت علیؓ نے دوپہر کی گرمی میں بیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی کتاب الضعفاء اس کے اس مقالہ کی وضاحت کرتی ہے اور میں نے ابن حبان کی کتاب کے کسی نسخے میں یہ دیکھا تھا کہ وہ حریزی المذہب تھے۔(یعنی ناصبی تھے)

تو اس سے معلوم ہوگیا کہ ابراہیم بن یعقوب جوزجانی خود مجروح شخص ہیں، تو اس کا قول ہم ابواسحٰق سبیعی جیسے امام پر کیسے حجۃ ٹھہرائیں اور یہ ہم پہلے ثابت کرچکے ہیں کہ جو شخص خود مجروح ہو، اس کی جرح مقبول نہیں۔

اس کے علاوہ علامہ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۳ پر ابان بن تغلب کے ترجمہ میں جوزجانی کا قول ابان بن تغلب کے متعلق زائغ مذموم المذهب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

و اما الجوزجانی فلا عبرة بحطه على الكوفيين فالتشيع فى عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليّ على عثمان فان عليّا كان مصيبا فى حروبه و ان مخالفه مخطئى مع تقويم الشيخين و تفضيلهما الى قوله و اما التشيع فى عرف المتأخرين فهو الرفض

المحض فلا تقبل روایة الرافضی الغالی ۔(تہذیب ج۱ص۹۳)

یعنی ابراہیم بن یعقوب جوزجانی کا قول کوفیین کی تنقیص میں بالکل معتبر نہیں ہے کیونکہ متقدمین کی اصطلاح میں شیعیت صرف یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کو جنگ میں حق بجانب سمجھتے ہیں اور آپ کے مخالف کو باطل پر باوجود یکہ وہ شیخین کو حضرت علی پر فضیلت دیتے ہیں اور متاخرین کی اصطلاح میں شیعیت محض رافضیت ہی ہے، تو رافضی غالی کی روایت بالکل مقبول نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ابن حجرؒ لسان المیزان ج۱ص۱۶ پر فرماتے ہیں :

و ممن ینبغی ان یتوقف فی قبول قول الجارح ان کان بینه و بین من جرحه عداوة سببها الاختلاف فی الاعتقاد فان الحاذق اذا تأمل ثلب ابی اسحق الجوزجانی لاهل الکوفة رائی العجب و ذلک لشدة الخرافة فی النصب و شهرة اصلها بالتشیع فتراه لایتوقف فی جرح من ذکره منهم بلسان ذلقة و عبارة خلقة حتی انه اخذیلین مثل الاعمش و غیرهم۔

اور یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اگر جارح اور مجروح کے درمیان کوئی اعتقادی اختلاف کی وجہ سے دشمنی ہے تو اس کی جرح میں توقف کیا جائے گا۔ اس لئے کہ سمجھدار شخص اگر غور و فکر سے کام لے تو ابو اسحٰق جوزجانی کا اہل کوفہ پر عیوب لگانے سے تعجب کریں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ .... آپ ابو اسحٰق جوزجانی کو دیکھیں گے کہ وہ اہلِ کوفہ کو تیز زبان اور کمزور عبارت کے ساتھ مجروح کرنے میں کسی قسم کا توقف نہیں کریں گے۔ حتی کہ وہ اعمش وغیرہ جیسے امام کا ضعف بیان کرنے لگے۔

اسی طرح علامہ محمد زاہد الکوثری اپنی کتاب تانیب الخطیب کے ص ۱۱۵ پر رقمطراز ہیں :

و ابن ابی حاتم من اعرف الناس ان الجوزجانی منحرف عن اهل الکوفة حتی استقر اهل النقد فیه علی انه لایقبل له قول فی اهل الکوفة۔

ابن ابی حاتم ابواسحٰق جوز جانی کو خوب بہتر جانتے ہیں کہ وہ اہلِ کوفہ کے سخت مخالف ہیں بلکہ ائمہ جرح وتعدیل نے فرمادیا کہ جوز جانی کا قول اہل کوفہ کے حق میں بالکل نا قابلِ قبول ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ابواسحٰق سبیعی اور جوز جانی کے درمیان فرق مراتب بالکل واضح ہے تو جوز جانی کی جرح کا اعتبار اتنے بڑے امام کے حق میں ہرگز مقبول نہیں۔ علاوہ ازیں ائمہ نے تصریح کردی کہ جوز جانی کا قول کسی کوفی راوی کے حق میں معتبر نہیں کیونکہ آپ یہ جرح اپنی عصبیت اور اعتقادی اختلاف کی بناء پر کررہے ہیں اور یہ ہم پہلے ثابت کر چکے کہ ایسے شخص کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں، تو محقق موصوف کو قواعد جرح وتعدیل کی رو سے ہرگز ٹھیک نہیں تھا کہ آپ نے صرف جرح کا قول نقل کر کے تعدیل کے اقوال چھوڑ دئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا عبد القیوم حقانی کی تصنیفات
اماں جی
اسلامی آدابِ زندگی
شرح شمائل ترمذی
امام اعظم ابو حنیفہ کے حیرت انگیز واقعات
توضیح السنن
القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ